بیادگار:
حضرت ابوالبرکات سید حسن قادری رحمۃ اللہ علیہ

الحسن

پندرہ روزہ
پشاور

سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

این بارگہ حضرت غوث الثقلین است
نقد کرم حیدر و نسلِ حسنین است

مادرش حسینی نسب است و پدر او
زِ اولادِ حسن یعنی کریم الابوین است

بیادگار
حضرت ابو البرکات
سید حسن قادری
رحمۃ اللہ علیہ

پندرہ روزہ

رضا نمبر

الحسن

پشاور

قیمت : ایک روپیہ

مدیر
سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی

منتظم
مفتی مشتاق احمد

جلد ۱ * شمارہ ۲۳-۲۴ | ۱۵ فروری و یکم مارچ ۱۹۷۵ء | چندہ سالانہ ۲۰ روپے

اعلیٰ حضرت
احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ
نمبر

فہرست

○

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت احمد رضا خان صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

از جناب محمد اسلم صاحب نقشبندی

○

مناصبِ تصوف ملفوظاتِ حضرت نوشہ گنج بخش رح کی روشنی میں

تدوین و ترجمہ سید رضاء اللہ شاہ نوشاہی

سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی نے طابع [illegible] پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر پندرہ روزہ "الحسن" یکہ توت پشاور سے شائع کیا۔

شذرات

صرف پنجاب میں کیوں؟

تحریک تحفظ ختم نبوت کی مرکزی مجلس عمل کے صدر مولانا محمد یوسف بنوری نے گوجرانوالہ میں بتایا ہے کہ مئی سے ستمبر ۱۹۷۴ء تک تحریک کے زمانہ میں جن علماء، سیاسی رہنماؤں اور کارکنوں کو گرفتار کیا گیا تھا سندھ، سرحد اور بلوچستان میں ان کے خلاف مقدمات واپس لئے جا چکے ہیں۔ صرف پنجاب میں اب تک یہ کارروائی نہیں کی گئی اور اس صوبے میں اڑھائی ہزار سے زیادہ افراد کے خلاف مقدمات کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ یہ شکایت پہلے بھی کی جاتی رہی ہے۔ اور تعجب و افسوس کا باعث بنتی رہی ہے کہ جب وزیر اعظم نے قومی اسمبلی میں اس سلسلہ میں واضح اور دو ٹوک یقین دہانی کرائی تھی، اور اس پر باقی تین صوبوں میں کسی تاخیر کے بغیر عمل درآمد بھی ہو چکا ہے تو صرف پنجاب میں اس سلسلہ کو چھ ماہ سے زائد عرصہ گزر جانے کے باوجود کیوں ختم نہیں کیا گیا اور تلخی اور بدگمانی کی فضا کو کیوں طول دیا جا رہا ہے؟

یہ درست ہے کہ پنجاب میں صورت حالات صرف اس معاملہ میں ہی باقی صوبوں سے مختلف نہیں ہے بلکہ کئی اور باتیں بھی وجہ حیرت و اضطراب بنتی ہوئی ہیں لیکن تحفظ ختم نبوت کی تحریک کے سلسلہ میں مقدمات کو واپس لینے میں یہ غیر معمولی تاخیر صرف تعجب انگیز ہی نہیں، اذیت ناک بھی ہے۔ کیونکہ موجودہ صورت حال میں یہ بات بحث کی خاطر بھی تصور نہیں کی جا سکتی کہ کسی بھی صوبے کے ارباب حکومت وزیر اعظم کی واضح ہدایت کو بمنزلہ حکم نہ سمجھنے کی جرأت کر سکتے ہیں۔ مولانا محمد یوسف بنوری نے قادیانی مسئلہ کے سلسلہ میں آئینی ترمیم سے پہلے جناب وزیر اعظم کی بعض یقین دہانیوں کے سلسلہ میں ایک وفد کے ساتھ ان سے عنقریب ملنے کا بھی ذکر کیا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ تحریک کے زمانہ میں مقدمات کو واپس لینے کی کارروائی اس ملاقات سے پہلے پنجاب میں بھی مکمل کر دی جائے گی تاکہ اس آئینی ترمیم کے سلسلہ میں دوسرے اہم تر معاملات پر بہتر اور خوشگوار ماحول میں بات چیت ہو سکے۔

(نوائے وقت پنڈی، ۲ مارچ)

امام اہل سنت

اعلیحضرت احمد رضا خاں صاحب بریلوی رحمت اللہ علیہ

۱۔ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اس کائنات کا ایک مشہور ابتدائی واقعہ ہے۔ ان کی زمین پر خلافت کی تقرری جب ملائکہ کے نزدیک شبہ ما بہ نزاع بن گئی تو خدائے علیم و خبیر نے تعلیم کو معیار بنا کر اس مسئلہ کو حل کر دیا۔ جس علم و خبر کا اعجاز حضرت آدم علیہ السلام کو عطا کیا گیا تھا۔ اس سے فرشتے بہرہ ور نہ تھے۔ مقابلے کے وقت ملائکہ اپنے عجز و انکسار کا اظہار کئے بغیر نہ رہ سکے چنانچہ اس بے جا اعتراض اور اقرار عجز کے اظہار پر انہیں اسی آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس طرح اللہ تبارک و تعالےٰ نے فرشتوں پر فضیلت آدم کو واضح کر دیا۔ اور شرافت نبوت کو فرشتوں کی سجدہ ریزیوں سے تکمیل تک پہنچا دیا۔ اگرچہ سجدے کا استحقاق تو صرف ذات خداوندی کو سزاوار تھا لیکن عقل انسانی حیران رہ جاتی ہے کہ خود مسجود لاشریک، فرشتوں کو فانی انسان کے سامنے سجدہ ریز ہونے کا حکم وجوبی دے رہا ہے اور لاتعداد سجدہ ریزوں کی موجودگی میں صرف ایک انکار کرنے والے کو اتنی عبرتناک سزا دی گئی کہ لعنت کا طوق یوم الدین اس کے گلے میں حمائل کر کے اس کی بدنامی کا سامان کر دیا گیا۔ اور ابد الآباد تک راندۂ درگاہ قرار دے دیا گیا۔

۲۔ اس واقعہ سے کئی نتائج برآمد ہوئے۔ اول یہ کہ حضرت انسان تمام مخلوقات سے اشرف المخلوق ہے۔ دوم علم معیار فضیلت ہے۔ سوئم آدم کا علم فرشتوں کے علم سے بڑھ کر ہے۔ چہارم حضرت انسان اللہ کے ہاں فرشتوں کا مسجود ہے۔ پنجم۔ نبوت کے شان پر گستاخی ناقابل معافی جرم ہے وغیرہ۔ ہمارے نزدیک اس عظیم واقعے کے انعقاد سے اپنے نور ازلی سے نور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کرنے والے خدائے خالق و مالک کا منشاء یہی تھا کہ کائنات کی تمام مخلوقات۔ اشرف المخلوقات اور جماعت ملائکہ تک کو تقدیس انبیاء کا مکلف ٹھہرایا جا سکے۔ اسی گروہ انبیاء میں حضور پرنور، شافع یوم النشور، کائنات کے صدر الصدور سبقت افلاک، بدر البدور، فخر موجودات، سرور کائنات حضرت احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ علیہ التحیات والثناء کا مقام کسی تعارف کا ضرورت مند نہیں۔ اس بارگاہ نبوت میں ابوجہل اور ابولہب کی مخالفت شیطان کی اولین مخالفت کی ہو بہو نقل مطابق اصل ہی نہیں بھی نظر آتی ہے بلکہ مقابلہ ہابیل و قابیل۔ مقابلہ ابراہیم و نمرود۔ قصہ یوسف و برادران یوسف۔ قضیۂ موسیٰ و فرعون اور جنگ بدر وغیرہ میں

اسی کتاب کے اوراقِ پریشاں ہیں جن میں قدرِ مشترک تقدیسِ نبوت اور مخالفت نبوت کے واضح اشارے ملتے ہیں۔

۵۔ آج بھی یہی دیکھنے میں آتا ہے کہ دانستہ یا نادانستہ طور پر عظمتِ نبوت اور تقدیسِ رسالت سے ازلی بغض نے کبھی توحید کا سہارا لیکر نبوت کی تنقیص شروع کی ان یفسد فیہا و یسفک الدماء کے انداز میں ملائک کی تعبیریں صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی۔ کبھی رفض کے لبادے میں حضرات شیخین کی عزت کا انکار کیا۔ کبھی خارجیت کے پردے میں اہلِ بیت پر حملے کئے کبھی امام اعظم رضی اللہ عنہ کے احسان سے جھکی گردنوں سے بار الگ کر کے ابن تیمیہ اور ابن قیم کا طوق ڈالنے کی سعی کی۔ کبھی غوث پاک اور خواجۂ خواجگان کی مساعی جمیلہ پر یہ کہہ کر پردہ ڈالنے کی کوشش کی کہ تصوف تو ایک افیم ہے جس سے چھٹکارا ضروری ہے۔

اس تمہید سے ہماری مراد یہی ہے کہ یہ آویزش روز ازل سے آج تک کسی نہ کسی رنگ میں چلی آتی ہے۔ اور آخر تک چلتی رہیگی مخالفت اپنے دل کا بخار اس نکالتی رہے گی۔ اور حمایت تلوار اور قلم سے دفاع کرتی رہے گی۔ وقت ایسے افراد کو خود جنم دے لیتا ہے جو ایک معمولی فرد ہونے ہوئے بھی بڑی بڑی سلطنتوں سے ٹکر لیتے ہیں۔ اور نبوت کی حمایت میں اپنے لوہے کی عظمت کو صدیوں تک منواتے رہتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت، فقیہہ حنفیت۔ ترجمان اہل سنت۔ شاعر اہل محبت، عاشقِ رسالت۔ قائد قادریت۔ مجدد مائۃ حاضرہ مولانا احمد رضا خان صاحب علیہ الرحمۃ اسی گروہ کے سرخیل تھے۔

۶۔ اللہ رب العزت نے تقدیسِ رسالت اور عظمتِ نبوت سے اعلیٰ حضرت کا سینۂ پر نور منور کر رکھا تھا۔ وہ نور صرف آپ کی ذات تک محدود نہ رہا۔ بلکہ پاک و ہند کے علاوہ اسلام کی جائے پیدائش مکہ مکرمہ اور جائے پناہِ رسالت مدینہ منورہ تک چمکا۔ علم دین کا حصول اعلیٰ حضرت کے خاندان کا اولین مشغلہ تھا جو پشتہا پشت سے اب تک ورثتاً چلا آرہا تھا۔ آپ پٹھانوں کے مشہور قبیلہ بڑیچ سے تعلق رکھتے تھے۔ جو اشرف البلاد قندھار ملک افغانستان کا ایک معروف علمی گھرانہ متصور ہوتا ہے۔ آپ کا زمانۂ حیات مقدسہ دس شوال ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ جون ۱۸۵۶ء سے ۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۹۲۱ء پھیلا ہوا ہے اور ۶۸ سالہ حیات مبارکہ میں کم و بیش ایک ہزار چار سو کتب تحریر فرمائیں۔ جن میں سے ساڑھے تین سو سے زائد کتب کی فہرست بنام "المجمل المعدد لتالیفات المجدد" مرکزی مجلس رضا لاہور نے طبع کرا کر ہدیۂ شائقین کرام اور طالبانِ دینِ اسلام پیش کی ہے۔ ان علوم و فنون میں سات کتب تفسیر گیارہ کتب حدیث۔ تیرہ کتب عقائد۔ ایک سو پچاس کتب فقہ اور نو کتب اصول فقہ کے علاوہ علم کے ہر شعبہ و فن پر بے شمار تصنیفات بزبان عربی۔ فارسی اور اردو زبانوں میں پوری فصاحت اور روانی سے تحریر فرما کر ملت حنفیہ پر اپنی خداداد قابلیت کا وہ سکہ بٹھا گئے ہیں۔ کہ اہلِ فقہ۔ معاندین اور حاسدین تک عش عش کر اٹھے۔

۵۔ آپ کی دو عدد قابل قدر کتابیں بنام "الدولۃ المکیۃ" اور "حسام الحرمین" جب علمائے حجاز کی خدمت میں پیش کی گئیں تو علماء حرم الشریفین اور صلحاء ممالکِ اسلامیہ نے اعلیٰ حضرت کو "مجدد ملت اسلامیہ" اور "امام الائمۃ المجدد" جیسے جلیل القاب سے ملقب کیا۔ آپ پچاس برس کے قریب مسند امام اعظم پر جلوہ افروز رہے۔ آپ نے اپنے فقیہانہ بلکہ مجتہدانہ فیصلہ جات کے مجموعہ کو "فتاوی رضویہ" ۱۲ جلدوں میں مبسوط فرمایا۔ جس کی ہر جلد ایک ہزار کے لگ بھگ بڑی صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کی موجودگی میں اعلیٰ حضرت کے مخالفین تک یہ تسلیم

کرنے لگے۔ کہ فقہ میں ان کی نظیر آنکھوں نے نہیں دیکھی۔ حقیقت پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ فتاویٰ رضویہ کا مصنف دقائق کا خزینہ حقائق کا گنجینہ علوم عقلیہ و نقلیہ کا بحر بے کراں ہے۔ وہ حدیث "لا تقوم الساعۃ حتیٰ یظہر العلم" کا منہ بولتا نمونہ تھے۔ آپ کو علم قرآن[1] علم حدیث[2] اصول حدیث[3] ۔ فقہ[4] ۔ اصول فقہ[5] ۔ تفسیر[6] ۔ عقائد[7] ۔ کلام[8] ۔ صرف[9] ۔ نحو[10] ۔ معانی[11] ۔ بیان[12] ۔ بدیع[13] ۔ منطق[14] ۔ فلسفہ[15] ۔ ریاضی[16] ۔ ہندسہ[17] ۔ تاریخ[18] ۔ لغت[19] ۔ ادب[20] ۔ تصوف[21] ۔ سلوک[22] ۔ اخلاق[23] ۔ اسماء الرجال[24] ۔ سیر[25] ۔ تجوید[26] ۔ قرأت[27] ۔ ہیئت[28] ۔ نجوم[29] ۔ تکسیر[30] ۔ مناظرہ[31] وغیرہ پینتالیس علوم پہ کامل دسترس حاصل تھی۔ اس کے علاوہ کئی علوم آپ نے ترک فرما دیئے تھے۔ کہتے ہیں کہ عالم اسلام میں اتنے علوم کسی ایک فرد واحد میں جمع نہیں پائے گئے۔

۷۔ اعلیٰ حضرت کی فقاہت کے بارے کچھ معروضات پیش کرنے کیلئے ہم آپ کا ایک فتویٰ درج کر رہے ہیں۔ یہ فتویٰ میرے آقا و مولا۔ قبلہ و کعبہ۔ سیدی و مرشدی آغا محمد امیر شاہ القادری الگیلانی مدیر "الحسن" پشاور نے ایک پمفلٹ بنام "جنازے کے ساتھ ذکر الٰہی کرنے کا مسئلہ" میں پیش فرمایا تھا۔ جسے دوبارہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جاتی ہے۔

سوال

مشہود خدمت جناب حجت قاہرہ۔ مجدد مائتہ حاضرہ مولانا مولوی احمد رضا خانصاحب دام ظلکم علی رأس المسترشدین بعد سلام سنتہ السلام عرض ہے کہ اس ملک میں جنازہ کے آگے مولود خوانی میں اختلاف اور جھگڑا ہے۔ ایک طائفہ "بحر الرائق" و "مراقی الفلاح" و "قاضی خان" و "عالمگیری" وغیرہا کی عبارات سے مکروہ تحریمی کہتے ہیں۔ اور دوسری جماعت جائز و مستحب کہتی ہے۔ آپ کی تحریر پر جملہ مسلمانوں کا فیصلہ ہے۔ کئی ماہ کے "تنازع" کا فیصلہ ہوگا۔ عبارات فریق قائل کراہیت "رد المحتار" "قیل تحریما و قیل تنزیہا کما فی البحر عن الشفایہ و فیہ عنہا...... وہا کذئی۔

مرسلہ

سید محمد مجید الحسن موضع خاذی ناڑہ۔ ترقی ضلع جہلم پنجاب

مسئلہ ۳ فتاویٰ رضویہ۔

الجواب

علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

ہاں کتب حنفیہ میں جنازے کے ساتھ ذکر جہر کو مکروہ لکھا ہے جس طرح خود نفس ذکر جہر کو بکثرت کتب حنفیہ میں مکروہ بتایا۔ حالانکہ وہ اطلاقات قرآن عظیم و احادیث حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور عند التحقیق کراہت کا ورود بنظر عوارض خارجہ نیز لازمہ ہے۔ جیسا کہ علامہ خیر الدین رملی استاد صاحب در مختار وغیرہ محققین نے تحقیق فرمایا اور ہم نے اپنے فتوی میں اسے منقح کیا۔ یہاں بھی اس کا منشا وہ عوارض ہی ہیں۔ قلب ہم اعیان کا مشوش ہونا یا دوست سے دوسری طرف توجہ کرنا

التفات کیجئے تو یہ حکم اسی زمانِ خیر کے لئے تھا۔ جبکہ ہمراہیان جنازہ تصور موت میں ایسے غرق ہوتے تھے کہ گویا میت ان میں سے ہر ایک کا جگر پارہ ہے۔ بلکہ خود گویا میت ہیں۔ جنہیں کو جنازہ پر لئے جاتے ہیں۔ اور اب قبر میں رکھیں گے۔ لہٰذا علماء نے سکوت کو پسند کیا تھا۔ کہ کلام اگرچہ ذکر ہی ہو۔ اگرچہ آہستہ ہو اس تصور سے کہ دلجمعی نافع اور مفید اور برسوں کے زنگ دل سے دھو دینے والا ہے۔ روکے گا۔ یا کم از کم دل بٹ تو جائے گا۔ تو اس وقت محض خاموشی ہی مناسب تر ہے۔ ورنہ حاشا للہ ذکر خدا اور رسول نہ کسی وقت منع ہے۔ ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یذکر اللہ تعالیٰ علی کل احیانہ رواہ مسلم واحمد و ابوداؤد و الترمذی وابن ماجہ وعلقہ البخاری نہ کوئی چیز اس سے بہتر قال اللہ عزوجل ولذکر اللہ اکبر۔ اب کہ زمانہ منقلب ہوا۔ لوگ جنازہ کے ساتھ اور دفن کے وقت اور قبروں پر بیٹھ کر لغویات و فضولیات اور دنیوی تذکروں بلکہ خندہ و لہو میں مشغول ہوتے ہیں۔ تو انہیں ذکر خدا اور رسول جل وعلی وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف مشغول کرنا عین صواب وکار ثواب ہے معہذا جنازہ کے ساتھ ذکر جہر کی کراہت میں اختلاف ہے۔ کہ تحریمی ہے۔ تنزیہی ہے اور ترجیح بھی مختلف آئی۔ قنیہ میں کراہت تنزیہیہ کو ترجیح دی اور اسی پر فتاوی تتمہ میں جزم فرمایا۔ اور یہی تجرید و مجتبیٰ و خاوی و بحر الرائق وغیرہا کے لفظ ینبغی کا مفاد ہے۔ اور ترک اولیٰ اصلاً گناہ نہیں کما نص علیہ وحققناہ فی محل جلیلہ اور عوام کو اللہ عزوجل کے ایسے ذکر سے منع کرنا جو شرعاً گناہ نہ ہو۔ محض بدخواہی عام مسلمین ہے اور اس کا مرتکب نہ ہوگا۔ مگر متقشف کہ مقاصد شرع سے جاہل و ناواقف ہو یا متصلف کہ مسلمانوں میں اختلاف ڈال کر اپنی رفعت و شہرت چاہتا ہو۔ بلکہ ائمہ ناصحین تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ منع کرنا اسی منکر سے ضروری ہے۔ جو بالاجماع حرام ہو۔ بلکہ تصریحیں فرمائیں کہ عوام اگر کسی طرح یاد خدا میں مشغول ہوں۔ ہرگز منع نہ کئے جائیں اگرچہ وہ طریقہ اپنے مذہب میں حرام ہو۔

مکمل عبارت کو بخوف طوالت نظر انداز کیا جاتا ہے۔ شائقین حضرات فتاوی رضویہ یا مذکورہ بالا رسالہ میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ اب ہم قارئین کی خدمت میں تاریخ اسلام کا ایک فقہی واقعہ درج کرتے ہیں کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں کسی مصلحت کو دیکھ کر مستورات کا مسجد میں داخلہ بند کر دیا۔ تو مدینہ منورہ کی صحابیات پر مشتمل مستورات کا ایک وفد ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا کہ عورتوں کو نماز باجماعت مسجد میں ادا کرنے سے نہ آپ کے شوہر نامدار مدنی تاجدار علیہ التحیۃ والثناء نے منع فرمایا نہ آپ کے والد ماجد حضرت ابوبکر صدیق نے روکا۔ لیکن اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ پابندی عائد کر دی ہے کہ عورتوں کا داخلہ مسجد میں ممنوع قرار دے دیا ہے۔ ہم آپ کی خدمت میں اس لئے حاضر ہوئی ہیں کہ آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس پابندی کے واپس لینے کی ہدایت کریں۔ ام المومنین نے گہری سنجیدگی سے تمام داستان سن کر فرمایا حضرت عمر فاروق اعظم نے یہ پابندی لگائی ہے۔ اگر یہ ماحول میرے خاوند نامدار۔ یا والد ماجد صدیق اکبر کو میسر آتا تو وہ بھی تم وہی کچھ کرتے جو عمر فاروق نے کیا ہے۔ آپ ان کے حکم کی پوری پابندی کریں۔ یہ قدم ملت کے حق میں مفید ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ مدبرانہ جواب سن کر خواتین مدینہ کا یہ برگزیدہ وفد حضرت عمر کے فیصلے

کے دیرپا اثرات اور مفادات کے تحت راضی خوشی واپس چلا گیا۔ اور اُمت میں یہ فیصلہ چودہ سو سال سے لیکر آج تک رائج چلا آرہا ہے۔ اس مسئلہ کے وقوع سے چند نتائج برآمد ہوئے جنہیں اعلیٰ حضرت کے فتوے کے ساتھ بطور موازنہ پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) ہر زمانے کے تقدس اور تقاضے الگ نوعیت کے ہوتے ہیں اور وقت کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ معاشرے کی ضروریات بھی تبدیل ہوتی رہیں۔ جب کہ رسولِ خدا علیہ التحیۃ والثنا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے زمانے کے تقاضے اور تقدس اتنے بدل گئے کہ وقت کی دس سالہ تبدیلی نے بعد عورتوں کا مساجد میں نماز ادا کرنے کا حکم تبدیل کرنا پڑا۔

(۲) مصلحت وقتی کا تقاضہ رکھنے والے کا فیصلہ خدا اور رسول کا پسندیدہ فیصلہ ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ ظاہری نگاہوں کو اصل مقام سے الگ تھلگ دکھائی دے جب کہ ام المومنین کے الفاظ مبارک سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اگر میرے شوہر رسول خدا علیہ السلام اور میرے والد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی اس معاشرے میں اس وقت موجود ہوتے تو وہی قدم اُٹھاتے جو عمر فاروق نے اُٹھایا ہے۔

(۳) معاشرے کی قدروں اور ضرورتوں کے نبض شناس جان سکتے ہیں کہ کسی وقت کسی ضرورت کا دوانع اور کسی رواج پر پابندی ضروری ہے۔ جو اس معاشرے کے تقاضے پر پوری اُتر سکتی ہے۔ جیسا کہ حضرت عمر نے برائی کے جراثیم کی پرورش کو مناسب وقت پر روک لیا۔ اور نماز جیسے اہم فریضے کی ادائیگی کے لئے عورتوں پر مساجد میں داخلے پر پابندی عائد کر دی۔

(۴) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اقدام پر ام المومنین رضی اللہ عنہا کا اظہار خوشنودی یہ ظاہر کئے دیتا ہے کہ اخلاص کے ساتھ اُٹھایا ہوا مناسب قدم اللہ جل علی شانہٗ اور رسول مقبول علیہ السلام کی رضامندی کا باعث ہوا کرتا ہے۔ اور عامۃ الناس کے لئے بڑی منفعت کا باعث بنا کرتا ہے۔

ان چار جزئیات کی روشنی میں ہم اعلیٰ حضرت کے فتویٰ کو پرکھتے ہیں۔ قارئین کرام ذرا سی فراخدلی سے دیکھیں۔ تو دونوں واقعات ایک دوسرے سے گہری مماثلت رکھتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت خود تسلیم کرتے ہیں کہ کتب حنفیہ میں جنازے کے ساتھ ذکرِ جہر کو مکروہ لکھا گیا ہے۔ لیکن کراہت عوارض سے مشروط ہے۔ اعلیٰ حضرت کے نزدیک عوارض دو ہیں۔

(۱) میت کے ساتھ جانے والوں کے دل مشوش ہونا۔

(۲) یادِ موت سے ہٹ کر دوسری جانب متوجہ ہونا۔

تشریحاً فرمایا کہ جس زمانہ میں ذکرِ جہر کی تحریم۔ تنزیہی اور تحریمی کراہت لازم آئی تھی۔ وہ زمانہ خیر و برکت کا تھا۔ فرماتے ہیں جنازے کے ساتھ جانے والا ہر شخص تصورِ موت میں غرق ہوتا تھا۔ اور اس تصور کی دلالت پر وہ خود کو میت سمجھتا تھا۔ اسے موت آنکھوں کے سامنے دکھائی دیتی تھی۔ اسے اپنے اعمال ایک ایک کر کے یاد آجاتے تھے۔ قبر کی تنگی۔ سکرات کی سختی۔ منکر نکیر کے سوال

تدوین و ترجمہ: سید رضا اللہ شاہ نوشاہی

مناصبِ متصوّفہ ملفوظاتِ حضرت نوشہ گنج بخشؒ کی روشنی میں

حضرت حاجی محمد نوشہ گنج بخشؒ ۹۵۹ھ میں موضع گھوگانوالی ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ شجرہ نسب حضرت علی المرتضیٰ سے جا ملتا ہے جبکہ سیر و سلوک قرطبیت خاندان قادری کے ایک عظیم بزرگ حضرت شیخ سلیمان بھلوالی سے کیا اپنے مرشد کی نگاہ سے تین ماہ تک حالتِ سکر میں محو و مدہوش رہے۔ پھر حالت صحو میں تبدیل ہوئی۔ تمام مقامات و منازل طے کر کے خلافت کبریٰ حاصل کی۔ ۱۰۶۴ھ میں واصل بحق ہو کر ساہن پال شریف ضلع گجرات میں دفن ہوئے۔

چونکہ حضرت نوشہ صاحبؒ تمام مقاماتِ متصوّفہ سے گذرے اس لئے انہوں نے اپنی تعلیمات کے دوران عرفان و تصوّف کے مقامات کی بڑی واضح اور درست نشاندہی فرمائی ہے جنہوں نے ان کے ملفوظات موسوم بہ "کلماتِ طیّبات"۔ مرتبہ سید شرافت نوشاہیؒ (قلمی) سے بیان کیا جاتا ہے۔ ان ملفوظات کی روشنی میں جہاں عالم تصوّف کے منصب داروں کی حقیقی شان و منزلت کا اندازہ ہوتا ہے وہاں اُن کا عام معاشرہ سے امتیاز کر کے نام نہاد اور خود ساختہ صوفیوں کی کئی فریب کاریوں سے بھی نجات ملتی ہے۔

درویش: ۱۔ درویش وہ ہے جس پر قلبی اور دماغی اذکار عیاں ہوں

۲۔ درویش وہ ہے جو قہر کے تقاضہ سے ڈرتا ہے۔

۳۔ درویش وہ ہے جو شہوت کے جوش سے اندھا نہ ہو جائے۔

۴۔ درویش وہ ہے جو فاسقوں کی نگاہ سے چھپا ہوا اور اس کا نام عاشقوں کی کتاب میں درج ہو۔

۵۔ درویش وہ ہے جو خود سے بیگانہ اور خدا سے تعلق دار ہو۔

۶۔ درویش وہ ہے جو جسم کے ضعف کی وجہ سے خشن و خار پر گذر اوقات کرے۔

۷۔ درویش وہ ہے جو ریاضت کی کثرت کی وجہ سے چلنے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ اور دل کا درد اسے ایک لمحہ بھی چین سے بیٹھنے نہ دے اور اس کی رگیں خشک اور تار تار ہوں۔

۸۔ درویش وہ ہے جس کا من آراستہ اور تن پراگندہ ہو۔

۹۔ درویش وہ ہے جس پر خفی اور جلی راز کھلے ہوں۔

۱۰۔ درویش وہ ہے جس کا جسم فاقہ سے ناتواں، ہونٹ پیاس سے سوکھے اور تن خشک لکڑی کی طرح ہو۔

۱۱۔ درویش وہ ہے جو دل کی راہ میں سبقت لے جائے۔

۱۲۔ درویش وہ ہے جو لاڈ میں بھی کیمیا گر ہو۔

۱۳۔ درویش وہ ہے جس کے اندر سے دم بدم ذکر جاری رہے۔

۱۴۔ درویش وہ ہے جس کا منہ بند اور دل کی زبان کھلی ہو۔

۱۵۔ درویش وہ ہے جو عقدہ کش اور راز داں ہو۔

۱۶۔ درویش وہ ہے جس نے حقیقی مدعا حاصل کیا ہو۔

۱۷۔ درویش خطا کاری کے خطرہ سے ہمیشہ غم کے گرداب میں غرق رہتا ہے۔

۱۸۔ درویش معصیت کاری کے خوف سے آہ و فغاں کرتا ہے۔

۱۹۔ درویش معصیت کے غم سے بیمار پڑ جاتا ہے۔

۲۰۔ اہلِ طریقت درویش اپنے پیروں کے قدم کیلئے اپنا تن دھو کر اپنی مراد کو پہنچتے ہیں۔

۲۱۔ درویش کا دل دوسروں کی مصیبتیں دیکھ کر پسیج جاتا ہے۔

جواب اس کی آنکھوں کے آگے آجاتے تھے۔ ایسے ساعت میں کا پورا پایا جاتا تھا۔ اسے مغفرت خداوندی کا منظر دکھائی دیتا تھا۔ سب تصورات اس کی آنکھوں کے سامنے پھر جاتے تھے۔ اور اس کی باقی زندگی خدا اور رسول علیہ السلام کے بتائے ہوئے راستے پر چلتی رہتی تھی۔ اور اگر خود کو میت نہیں سمجھتا تھا۔ تو جنازے کو اپنا جگر پارہ سمجھتا تھا۔ اور جو واردات اپنے جگر پارہ کی موت پر طاری ہوتے ہیں وہ میت کے ساتھ جانے والے پر بھی طاری ہوتے ہیں۔ لہٰذا ایسے اوقات میں یہ تصور اس کے لئے بہت بہتر سمجھا گیا اور اس میں خلل انداز مناسب نہ تھی۔ لہٰذا اس تصور کو ذکر خداوندی پر ترجیح دی گئی تھی۔

لیکن اپنے وقت کے سب سے بڑے حکیم الامت جب اپنے اردگرد ماحول کو بدلا ہوا پاتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ اب کہ زمانہ منقلب ہوا۔ لوگ

(۱) جنازہ کے ساتھ ساتھ جانے وقت

(۲) میت کو دفن کرتے وقت

(۳) قبروں کے قریب بیٹھتے وقت بھی

لغویات۔ فضولیات اور دنیاوی باتوں ہی بلکہ ہنسی مزاح میں۔ ایک دوسرے سے ٹھٹھا مخول کرتے ہیں۔ جیسا ہی مجلسوں میں الجھتے ہیں اور وہ حرکات جو خدائے برحق اور رسول خدا علیہ السلام کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں مشغول ہو جاتے ہیں اکثریت کا بہت بڑا حصہ انہی مذموم حرکات میں محو ہو جاتا ہے بلکہ اکثر حضرات اپنے ذوقِ علم بینی کے بھرپور مظاہرے پر اظہار کئے بیٹھے رہتے ہیں۔ غیر حاضر حضرات کی عیب جوئی اور غیبت کا اس سے زیادہ مناسب موقع نہیں پاتے علماء حضرات تک رقیبوں پر غصہ نکالنے کا اچھا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ سیاسی نظریات کی تبلیغ کے لئے دوسرے وقت کا انتخاب ملتوی کر دیتے ہیں۔ ان عوارض کی موجودگی میں اگر عوام کی توجہ ذکر خداوندی کی طرف منعطف کر دی جائے تو یہ امر اعلیٰ حضرت کے نزدیک عین صواب اور کارِ ثواب ہے۔ اس مبحث کے بعد ایک دو نہیں الٹی دس دلیلیں دے کر اپنے فتویٰ کے جواز کا وہ سامان مہیا کر دیا۔ کہ آج تک اس کا جواب نہ بن سکا ہے نہ بن سکے گا۔

مکمل فتویٰ بڑا طویل اور ہمارے مضمون کے صفحات تنگی داماں کا بھرپور مظاہرہ کرنے پر مجبور ہیں۔ نیز ہمیں اپنی کم علمی کا کھلے دلوں اعتراف کرنے سے چھٹکارا نہیں۔ ہم اپنے دور کے ہر مکتبہ فکر کے محققانِ کرام سے گذارش کریں گے کہ وہ اس فتویٰ کے حسن و قبح۔ سیاق و سباق پر کامل غور کے بعد ملت کو اس کی افادیت یا مضر رسانی سے آگاہ کریں۔ اپنی کم مائیگی کو مستور کرنے کے لئے ہم ام المومنین رضی اللہ عنہا کے دامنِ شفقت اور فاروق اعظم کی پرشوکت پر ہیبت عظمت میں پناہ لیتے ہیں کیا یہ غلط ہے کہ

۱۔ حضرت عمر کا عورتوں کا مسجد میں داخلہ بند کرنا وقتی

بعینہٖ اعلیٰ حضرت نے جنازے کے ساتھ ذکرِ الٰہی کو جائز قرار

تقاضہ کے عین مطابق تھا۔ یہ تبدیلی معاشرے کی اشد وقتی ضرورت تھی۔ جبکہ رسول خدا اور صدیق اکبر کے زمانے کے تقاضے اور تقدس اس سے الگ تھے۔

۲۔ ام المومنین نے فرمایا کہ جو قدم عمرؓ نے اٹھایا ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ بھی ہوتے تو یہی قدم اٹھاتے۔ کیونکہ مصلحت وقتی کا تقاضہ رکھ کر کیا گیا فیصلہ خدا اور رسول خداؐ کا پسندیدہ فیصلہ ہوتا ہے

۳۔ حضرت عمرؓ نے برائی کے جراثیم کو پرورش سے پہلے ملیامیٹ کر کے مناسب قدم اٹھا لیا۔ اور معاشرے کی قدروں کی صحیح اور مناسب نبض شناسی فرمائی۔ اس لئے کہ آج کی ضرورت کل کی ضرورت سے مختلف ہوتی ہے۔

۴۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اقدام پر ام المومنین کی پسندیدگی نے رضائے خداوندی اور رضائے رسول خدا کی مہر ثبت فرما دی۔ اس میں اخلاص نیت اور حسن معاملہ کا نور جھلکتا ہے۔ مومنین کی ماں کی پسند اولاد کے لئے نہایت منفعت بخش ہوتی ہے۔

دے کر اپنے وقت کے تقاضے کو پورا کیا۔ یہ جواز وقتی ضرورت کے عین مطابق تھا۔ آج کا زمانہ تو پچاس سال کی مزید کثافتوں کو دامن میں لپیٹ چکا ہے۔

عرض ہے کہ جو بھی جواز اعلیٰ حضرت نے پیش فرمایا آج کے وقت میں بحر الرائق۔ مراقی الفلاح صاحب فتاوی قاضی خان اور شہنشاہ ہندوستان سلطان محی الدین اورنگزیب عالمگیر ہوتے تو اس فتویٰ پر صاد کرتے بلکہ امام ابو حنیفہ مسکرا کر فرماتے کہ میرے خوشہ چینوں میں احمد رضا بھی شامل ہے۔

اعلیٰ حضرت نے ذکر جہر کی ہیئت تنزیہی اور ترجیح کو وقتی مصلحت کے پیش نظر جائز قرار دے کر ملت پر احسان عظیم کیا کہ لوگ موت سے حقیقی عبرت حاصل کرنے سے ہے لہٰذا خاموش رہ کر طبیعت کو غیر باتوں میں الجھانے سے اچھا ہے کہ ذکر خداوندی سے یکسوئی حاصل کی جائے لہٰذا ذکر جہر وقت کا عین تقاضا ونشا ہے۔

ہم عرض کرتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت کے اس جواز پر شیخ عبد اللہ بن محمد صدقہ بن زینی دحلان جیلانی مسجد الحرام مکہ مکرمہ جیسی معزز ہستی پکار اٹھی فسبحٰن من خص مولفۃ بکمالات الفضائل۔ ہذا الدھر۔ پاک ہے وہ ذات جس نے اعلیٰ حضرت کو فضائل اور کمالات سے مشرف فرمایا۔ اسے ہمارے زمانے کے لئے چھپا کر اب ظاہر کر دیا۔

ان حالات میں اگر بلا گردان بر بلا حضرت خواجہ خواجگان بہاؤالدین نقشبند بھی ہوتے تو اس فتویٰ پر عش عش کر اٹھتے۔ اور مریدان با صفا کو ذکر جہر کا حکم صادر فرماتے۔ یہی ہیں ان رہنمائی اور پاکیزہ واقفیت کے متعلق ہم پاک و ہند والے اپنی صنم پرستانہ طبیعت کی کجی کی بناء پر غلو کر سکتے ہیں۔ آیئے مدینۃ النبی چلے چلتے ہیں۔ آگے بڑھیے۔ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہو جایئے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں ایک نماز کے بدلے پچاس ہزار کا ثواب ملتا ہے۔ یہ وہ بارگاہ ہے جہاں کا ایک ایک ذرہ قدم نبوت کو چوم کر ہم پلہ عرش بنا بیٹھا ہے۔ جہاں ابن مسعود اور امام محمد مالک ننگے پاؤں چلنا فخر سمجھتے تھے

مسندِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر شیخ مصطفیٰ بن تارزی ابن عزوز تشریف فرما ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے بابت فرماتے ہیں الاستاذ الکامل الجامع۔ الغیث۔ الوابل النافع۔ لقد افاد واجاد و امن شد العباد۔ و نور البلاد و ذالک دلیل علی شرفہ و جمیل سیرتہ وطول باعہ۔ اخلاص طویتہ۔ و طیب سریرتہ وغزارۃ علمہ و تبحر اطلاعہ۔ الفاظ ملاحظہ ہوں۔ پاکیزہ واقفیت کی نشانی ہیں۔

آیئے مل کر اسی بارگاہ میں جھک جائیں اور ان کے صادر شدہ فیصلہ کو تسلیم کرلیں۔ لیکن مخاطب وہ ہیں جو رسول خدا کی تقسیم پر بھی اعتراض کرکے کہا تھے تھے۔ اے رسول خدا انصاف فرمایئے۔ ان گستاخوں کا جھکنا ناممکن ہے۔ انہیں لے کر آگے چلیں۔ یہ وادی غیر ذی زرع ہے۔ بیت الحرام ہے۔ ایک رکعت کے بدلے ایک لاکھ کا ثواب بخشنے والا نوری خطہ اقدس ہے۔ وہاں شیخ احمد۔ ابوالخیر بن عبداللہ مرداد علیہ الرحمۃ تشریف فرما ہیں۔ خطیب مسجد الحرام ہیں۔ اللہ کے گھر کے ممتاز مقام کے مالک ہیں۔ ان کا فیصلہ تو قابل قبول ہوگا۔ فرماتے ہیں فہو کنز الدقائق۔ المنتخب من خزائن الذخیرۃ وشمس المعارف المشرقۃ فی ظہیرۃ کشاف المشکلات العلوم فی الباطن والظاہر یحق بکل من وقف علی فضلہ ان یقول کم ترک الاول والآخر۔ وہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان قدس اللہ سرہ العزیز حقائق کے محفوظ خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ وہ معرفت کا ایک آفتاب ہے جو دوپہر کو بھرپور روشنی دیتا ہے۔ علوم کی ظاہرہ و باطنی باریکیوں کا نکتہ دان ہے۔ جو کوئی اس کے علم و فضل سے واقف ہوا سے چاہیئے کہ کہدے کہ اگلے (احمد رضا) پچھلوں (آنیوالوں) کیلئے بہت کچھ چھوڑ گئے ہیں۔

وانی ان کنت الاخیر زمانہ	دنیا میں میں اگرچہ آخری وقت آیا ہوں۔
لآت بما لم تستطعہ الاوائل	لیکن وہ ساتھ لایا ہوں جو پہلوں کو میسر نہ تھا
ولیس علی اللہ بمستنکر	خدا کی قدرت کاملہ سے قطعاً بعید نہیں
ان یجمع العالم فی واحد	کہ وہ شخص واحد میں سارے عالم کی خوبیاں بھر دے

جس کے حق میں اللہ کے گھر سے یہ آوازیں بلند ہو رہی ہیں۔ مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جسے یہ اعزاز عطا کئے جا رہے ہیں۔ وہ اپنے بابت خود کیا نظریہ رکھتا ہے۔ فرماتے ہیں۔ الحمد للہ۔ یہاں بحمدہ تعالیٰ نہ فقیر مجتہد ہے نہ آئمہ مجتہدین کے ادنیٰ غلاموں کا ادنیٰ پاسنگ ہے۔ ان کی خاک نعل کے برابر بھی منزلت نہیں رکھتا۔ نہ معاذ اللہ شرع الٰہی میں اپنی عقل قاصر کے بھروسے پر کچھ بڑھا سکتا ہے۔ اس فتویٰ اور ان دونوں رسالوں میں جو کچھ ہے جہد المقل ہے یعنی ایک نہایت فقیر محتاج کی اپنی طاقت بھر کوشش۔ فضیلت کی اس مسند کے تخت نشین ہونے کے باوجود امام زیلعی کے ضابطہ پر کلام کرنے سے پیشتر امام اہل سنت والجماعت

تمام ادب و احترام کے ساتھ اظہار حقیقت اس طرح کیا ہے۔ یہ فقیر حقیر، غفرلہٗ الغفور القدیر اکابر کے حضور زبان کھولنے کی کیا لیاقت رکھتا ہے۔ مگر بحمداللہ المولیٰ سبحانہٗ وتعالیٰ جب دامن "ائمہ مذاہب رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہاتھ میں ہوتو دل قوی ہوتا ہے۔ نیز فرماتے ہیں۔ سبحان اللہ یہ فقیر بھی کوئی شئے ہے کہ احکام میں زبان کھول سکے۔ ماشاءاللہ ضابطہ دی ضابطہ امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ ہے باتباع علماء اسی کے اجمال کو مفصل کر دیا۔

اعلیٰ حضرت کے تفقہ اور اجتہاد کے بارے میں اتنا کچھ لکھ دینا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ اوپر کی ایک مثال سے ہم نے اعلیٰ حضرت کی فقاہت کا موازنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فعل مبارک سے کیا ہے۔ اللہ اس کوشش کو قبول فرمائے۔ اب ہم ایک علیحدہ مثال سے اعلیٰ حضرت کے تدبر قرآن۔ عبور حدیث مبارکہ۔ حالات سلف صالحین سے واقفیت تامہ اور کمالات علمی کا ایک ہلکا سا خاکہ نذر قارئین کرام کریں گے۔ فطرت انسانی ہر نئی ایجاد کے پیچھے لگی رہتی ہے۔ خواہ وہ ایجادات سائنسی کرشمات پر مبنی ہوں۔ یا علمی مباحث پر مشتمل ہوں۔ مذہبی انکشافات ہوں۔ یا تخریبی فلسفہ ہو طبیعت کچھ عرصہ اس کے درپے رہتی ہے۔ اس جبلت کی اصلی اور صحیح تسکین صرف تعلیم وحی اور زبان نبوت سے ہو سکتی ہے۔ لیکن عجلت پسندی اور ضعف نفسی سے متصف انسان اس کے پیچھے دوڑنے لگتا ہے۔ ہندوستان کے ممتاز اہل علم اسی خود غرضی کا شکار ہو کر نجدیت کی گود میں جا گرے۔ اور بعض حضرات کے قلم اس "حمیت الجاہلیت" کے طوفان میں بے بس ہو کر وہ کچھ لکھ گئے جس سے ذات خداوندی کی تنقیص کا پہلو نکل آیا۔ صفات مصطفوی کی تعظیم پر غبار آگیا۔ اعلیٰ حضرت کا قلم اسی قلمی جنگ میں وہ دفاعی نقوش ثبت کر گیا جو قیامت تک انمٹ رہیں گے۔ سماع موتیٰ کے مسئلہ پر انک لا تسمع الموتیٰ کے غلط استدلال کو صحیح رستوں پر لگانے کے بعد تقریباً پچھتر (۷۵) احادیث سے مسئلہ مذکورہ کے حق میں دلائل دیئے۔ اس کے بعد ۲۹ صحابہ کرام۔ انیس تابعین عظام اور دو سو پانچ علماء اسلام کے اقوال قویہ کو اپنی حمایت میں پیش فرما کر علم حدیث پر حاوی ہونے کا شاہکار نمونہ پیش کیا۔ مخالفین کو صراط مستقیم پر گامزن کرنے کیلئے خاندان عزیزی کے اکابر کی تصانیف سے ایک صد اقوال قاہرہ سے دلیل لاکر مخالفین پر اتمام حجت کر دی۔ اہل سنت والجماعت کے نزدیک قرآن۔ حدیث مبارکہ۔ اجماع امت اور قیاس اچار حجت ہیں۔ الحمدللہ امام اہل سنت نے ہر حجت میں صد ہا مثال پیش کر کے اپنی عمیق وسعت علمی کا وہ عظیم کارنامہ سر انجام دیا جس سے نہ صرف اہل سنت کے قلوب نور ایمان و ایقان سے منور ہو گئے۔ بلکہ علماء حق اور ائمہ مجتہدین اور اولیاء صالحین کی ارواح مبارکہ مسرور ہو گئیں۔ صحابہ کرام اور اہل بیت عظام کی بارگاہوں میں وہ گلدستہ ہائے عقیدت پیش کئے جن کی پتیوں سے چپہ چپہ مہک اٹھا۔ رسول خدا کی خوشنودی کا اظہار اس طرح ہوا کہ رب العزت نے ملائکہ مقربین کو حکم دیا کہ اس قبولیت کی بشارت کا مژدہ شیخ محمد عبدالحق مہاجر مکی رحمت اللہ علیہ کی زبان مبارک سے ان الفاظ میں نشر کیا جائے۔

انی مقیم بالمدینہ منذ سنین ویاتیہا من الہند الوف من الماسنین فیہم علماء وصلحاء واتقیاء رأیتہم یدورون

میں کئی سال سے مدینہ منورہ میں مقیم ہوں۔ ملک ہندوستان سے ہزارہا صاحبان علم۔ صلحاء و متقی لوگ یہاں آتے ہیں میں نے

فاسلک ابید لا یلتفت الیہم من اہلہ احد واری العلماء والکبار الفضلاء ایاک محترمین بالحلاک رمتبرکین وذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔

دیکھا ہے کہ وہ شہر کی گلیوں میں مارے مارے پھرتے ہیں۔ کوئی ان سے ملتفت نہیں ہوتا۔ لیکن (ایاک) اعلیٰ حضرت آپ کے اور دیگر علماء و فضلاء کا جمگھٹا لگا رہتا ہے بڑا آنیوالا تیری تعظیم و تکریم میں سبقت لے جانے کی کوشش کرتا ہے یہ تجھ پر اللہ کا فضل خاص ہے۔ جسے وہ چاہے اسے نواز دے

یہی نہیں شیخ محمد سعید بن محمد عالی علیہ الرحمۃ مدرس مسجد حرام مکہ مکرمہ بھی پکار اٹھے۔

فان من جلائل النعم التی لا تنبت فی ساحۃ شکرھا ان قیض الشیخ الامام والبحر الہمام۔ برکۃ الانام وبقیۃ السلف الکرام۔ واحد الائمۃ الزھاد والکاملین العباد احمد رضا خان۔

بے شک یہ امر اللہ کی ان عظیم نعمتوں سے ہے جس کا شکر ادا کرنے سے ہم عاجز و قاصر ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت امام۔ علم کے بحر بے کراں۔ برکت دوراں۔ سلف صالحین کی یادگار۔ زاہدوں اور کاملوں کا افتخار یعنی احمد رضا خان کو بھیجا۔

مکہ مکرمہ سے حمایت کی آوازیں ہم نے سن لیں۔ یہ خدائے بزرگ و برتر کی پسندیدگی کا اظہار ہے۔ مدینہ منورہ سے مرحبا کی صدائیں ہم تک پہنچ رہی ہیں۔ آیئے اب دونوں مقدس ترین مقامات کے بعد سب سے بڑی حرمت والی بارگاہ فضیلت پناہ یعنی بغداد شریف کا پیغام بھی سن لیں۔ یہ پیغام غوث پاک کے فرزند ارجمند السید الشیخ احمد اسعد گیلانی حسنی حسینی ساکن حماۃ شریف وارد مدینہ منورہ کی زبان سے سنوایا جا رہا ہے۔

اور اللہ کے شہر مدینہ طیبہ میں دو صالح پکے عادل اشخاص سے ملاقات ہوئی۔ جنہوں نے مولانا احمد رضا خان سے ملاقات کی ہے اور ان سے واقف ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ اعلیٰ حضرت اچھے اخلاق اور باوصف انسان ہیں۔ جب باتوں باتوں میں اعلیٰ حضرت کی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا بیان کیا۔ اور پھر حضور غوث پاک سے ان کی عقیدت مودت کا بیان کیا بس میرے دل میں اعلیٰ حضرت کی محبت اللہ پیدا ہوئی کیونکہ جو محبوب کو محبوب رکھے وہ بھی محبوب ہوتا ہے۔ یہ محبت خاصہ ہے ذات کریم کا جو مجھے ان سے ملاقات سے پیشتر پیدا ہو گئی۔

اعلیٰ حضرت نے اولیاء و اتقیاء کی حرمت کا دفاع ہی نہیں کیا بلکہ عظمت نبوی پر حملہ آوروں کو بھی منہ توڑ جواب دیا اور بات یہاں تک ہی محدود نہ رہی۔ بلکہ توحید کا سہارا لیکر رسالت کی شان میں گستاخی کرنے والوں سے ذات خداوندی بھی محفوظ نہ رہ سکی۔ اور اپنی علمیت کے زعم میں خدائے قدوس و سبوح کو بھی امکان کذب کے صدور میں ملوث کر دیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اعلیٰ حضرت کا قلم اس مقام پر بھی دشمنوں پر سختی سے بمقابل صف آرا ہوا۔ انہوں نے اس مسئلہ پر "سبحان السبوح عن عیب کذب مقبوح" نامی رسالہ لکھ کر مکذبین صدق باری تعالیٰ کے قلعے کو ڈائنامیٹ کر دیا۔ آپ نے ایک دو نہیں اکٹھی تیس مثالیں پیش فرما کر الیاد دفاع فرمایا۔ کہ مخالف خاموش ہو کر رہ گئے۔ رسالہ کے آخر میں فرمایا۔

مانو تو ایک سہل تدبیر بتادیں۔ میرا رسالہ تنہائی میں بیٹھ کر بغور دیکھو۔ ان دو صد دلائل اور اعتراضات کو ایک ایک کر کے پرکھو احقاق حق کو ایک دلیل کافی اور ابطال باطل کو ایک اعتراض وافی ...... یہ حق پرستی نہیں باد بد مستی ہوگی۔ نشہ تعصب میں ایسا مستی ہوگی یاد رکھو قیامت آئیگی۔ حساب ہوگا۔ خدا کے حضور سوال جواب ہوگا۔ اعلیٰ حضرت فرمایا کرتے تھے مجھے تین کاموں سے محبت ہے۔

(۱) دفاع نبوت صلی اللہ علیہ وسلم

(۲) بیخ کنی بدعت

(۳) فتاویٰ نویسی

اہل علم حضرات بتائیں۔ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ پر امکان کذب کو جائز قرار دینے والے عقیدے کا پرچار کرنے سے بڑھ کر بدعت کونسی ہے۔ کل بدعۃ ضلالۃ۔ وکل ضلالۃ فی النار۔ استغفار۔ لاکھ بار۔ یا پروردگار۔ بحرمت وجاہت سیدالابرار۔ وبحرمت آلہ اطہار بحرمت اصحابہ اکبار۔ وازواجہ الاخیار۔ وبرحمتک یا عزیز و یا غفار۔ یا حلیم یا ستار۔ اللہم استرنی بسترک الجمیل۔

مسلمانوں کے نزدیک علم فقہ قرآن و حدیث کے جملہ علوم و فنون کا نچوڑ ہے۔ کنزالایمان میں سلف صالحین کا مشہور قول مرقوم ہے کہ حضور علیہ السلام کے اصحاب کا تمام علم حضرت عمر۔ حضرت علی۔ حضرت ابن مسعود۔ حضرت عائشہ صدیقہ حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبداللہ ابن عباس کے علم میں محیط تھا۔ اور ان چھ حضرات کا علم حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے علم میں سمٹ کر ہوگیا۔ ان دونوں حضرات کے علم کے صحیح وارث امام ابو حنیفہ ہیں۔ انکا علم صحابہ کے علم کا مجموعہ ہے اور وہ فقہ حنفی ہے جو تیرہ سو سال سے بلا ترمیم و اصلاح ہزاروں سلطنتوں کا مسلمہ فقہ جاری رہا ہے۔ اور ملت ہاشمی کے کروڑہا انسان اسی فقہ کی تقلید میں دنیاوی فوز و بامات اور اخروی سرخروئی کی برحق پاتے رہے ہیں۔ تیرہویں صدی اس عظیم وراثت کو اعلیٰ حضرت کے سپرد کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتی۔ ۱۳۹۵ھ تک مولانا احمد رضا خان سے بڑھ کر کوئی شہسوار اس میدان تفقہ میں نہیں آسکا۔ آئندہ پانچ سال میں جو ہوگا وہ خدا کے علم میں ہے۔ دیکھا جائے گا۔

اعلیٰ حضرت کی علمی قابلیت میدان فقہ ہی میں محدود نہیں۔ آپ نے کلام پاک کی جاودانی تفسیر اردو زبان میں پیش کی۔ نہ پہلوں نے ایسی جان ڈالی۔ نہ آنے والے آئندہ اعجاز قلم دکھا سکیں گے۔ محترم پروفیسر محمد مسعود احمد مد ظلہ العالی اپنی تالیف "فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں" فرماتے ہیں کہ قرآن پاک کے بے شمار اردو تراجم شائع ہو چکے ہیں گو اولیت شاہ عبدالقادر علیہ الرحمۃ کے ترجمہ کو حاصل ہے لیکن نگاہ عشق و مستی سے دیکھا جائے تو فاضل بریلوی کا ترجمہ قرآن امتیازی شان رکھتا ہے۔ اور اپنی مثال آپ ہے۔ محترم ملک شیر محمد اعوان

نے مشہور صوفی شاعر اور عارف باللہ خواجہ میر درد علیہ الرحمۃ کی درج شدہ پیشنگوئی کا مصداق اعلیٰ حضرت کو ٹھہرایا ہے فرماتے ہیں۔

"اے اردو گھبرانا نہیں تو فقیروں کا لگایا ہوا پودا ہے خوب پھلے پھولے
گی۔ تو پروان چڑھے گی۔ ایک زمانہ ہوگا کہ قرآن و حدیث تیری آغوش
میں آکر آرام کریں گے"

بقول ملک صاحب قبلہ یہی خواجہ درد کے الفاظ کی تفسیر اعلیٰ حضرت کی صورت ہی مل گئی۔ قرآن کا ترجمہ کرتے وقت الفاظ کو موزونیت اور معنویت کا جامہ پہنانے کی جو بے ساختہ کاوش اعلیٰ حضرت نے فرمائی ہے اسے دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ ایسے ادبی نگینے نہ پہلے دیکھنے میں آئے۔ نہ بعد میں آنکھوں کو بھائے گا۔ کھوٹے اور کھرے کی تمیز کرنے کیلئے ایک خاص نسبت سے گیارہ مثالیں درج ذیل ہیں۔ نتیجہ ہم قارئین پر چھوڑتے ہیں۔ وہ خود انصاف سے فرمادیں کہ جواہر پاروں کی چکا چوند کس حقیقت پر پوری اترتی ہے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

تراجم

مولانا اشرف علی	مولانا محمود الحسن	اعلیٰ حضرت	آیت
یہ کتاب ایسی ہے جس میں شبہ نہیں	اس کتاب میں کچھ شک نہیں	وہ بلند مرتبہ کتاب یعنی قرآن کوئی شک کی جگہ نہیں	ذالک الکتاب لاریب فیہ
	مکر کیا کافروں نے اور مکر کیا اللہ نے اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے	اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے ان کے ہلاک کی خفیہ تدبیر فرمائی اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر والا ہے	ومکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین۔
	اور ابھی تک معلوم نہیں کیا اللہ نے جو لڑنے والے ہیں تم میں اور معلوم نہیں کیا ثابت رہنے والوں کو	اور ابھی اللہ نے تمہارے غازیوں کا امتحان نہ لیا اور نہ صبر والوں کی آزمائش کی۔	ولما یعلم اللہ الذین جاھدوا منکم ویعلم الصابرین
	البتہ منافق دغا بازی کرتے ہیں اللہ سے اور وہی ان کو دغا دے گا۔	بے شک منافق لوگ اپنے گمان میں اللہ کو فریب دیا چاہتے ہیں اور وہی ان کو غافل کرکے مارے گا	ان المنٰفقین یخدعون اللہ وھو خادعھم

جوہری غذائیت سے بھرپور

میدہ اور سوجی

ہم عوام کی خدمت میں پیش کرتے ہیں

یونیورسل فلور ملز لمیٹڈ

گل بہار کالونی۔ جی۔ ٹی روڈ
پشاور

فون نمبر: ۴۰۴ ۳۲۱۵

چیئرمین: صلاح الدین خان

مولانا اشرف علی	مولانا محمود الحسن	اعلیٰ حضرت	آیت
انہوں نے خدا کا خیال نہ کیا پس خدا نے انکا خیال نہ کیا۔	بھول گئے اللہ کو سو وہ بھول گیا ان کو۔	وہ اللہ کو چھوڑ بیٹھے تو اللہ نے انہیں چھوڑ دیا۔	نسوا اللہ فنسیھم
اور اس عورت کے دل میں تو ان کا خیال جم ہی رہا تھا اور انکو بھی اس عورت کا خیال ہو چلا تھا۔	اور البتہ عورت نے فکر کیا اس کا اور اس نے فکر کیا اس کا۔	اور بے شک عورت نے اس کا ارادہ کیا اور وہ بھی عورت کا ارادہ کرتا اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتا۔	ولقد ھمت بہ وھم بھا لولا ان را برھان
وہ پاس والے کہنے لگے کہ بخدا آپ تو اپنے اسی پرانے غلط خیال میں مبتلا ہیں۔	لوگ بولے قسم اللہ کی تو اپنی اسی قدیم غلطی میں ہے۔	بیٹے بولے خدا کی قسم آپ اپنی اسی پرانی وارفتگی میں ہیں۔	قالوا تاللہ انک لفی ضللک القدیم۔
یہاں تک کہ پیغمبر اس بات سے مایوس ہو گئے اور ان پیغمبروں کو گمان غالب ہو گیا کہ ہمارے فہم نے غلطی کی	یہاں تک کہ جب ناامید ہونے لگے رسول اور خیال کرنے لگے کہ ان سے جھوٹ کہا گیا تھا۔	یہاں تک کہ جب رسولوں کو ظاہری اسباب کی امید نہ رہی اور لوگ سمجھے کہ رسولوں نے ان سے غلط کہا تھا۔	حتی اذا استیئس الرسل وظنوا انھم قد کذبوا
لوط نے فرمایا یہ میری بہو بیٹیاں موجود ہیں اگر تم میرا کہنا کرو۔	بولا یہ حاضر ہیں میری بیٹیاں اگر تم کو کرنا ہے۔	کہا یہ قوم کی عورتیں میری بیٹیاں ہیں اگر تمہیں کرنا ہے۔	قال ھؤلاء بنتی ان کنتم فعلین۔
اور عمران کی بیٹی مریم جس نے محفوظ رکھا اپنی عزت کو۔	اور مریم بیٹی عمران کی جس نے روکے رکھا اپنی شہوت کی جگہ کو۔	اور عمران کی بیٹی مریم جس نے اپنی پارسائی کی حفاظت کی۔	ومریم ابنت عمران التی احصنت فرجھا
اور تجھ کو ہمارے خیال میں پایا، پھر ہدایت کی۔	اور پایا تجھ کو بھٹکتا پھر راہ سمجھائی	اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔	ووجدک ضالا فھدی

ہم نے ابتک آپ کی خدمت میں چند مثالیں پیش کر کے اعلیٰ حضرت کی فقیہانہ شان اور ادبی آن بان سے قرآن مجید کے ترجمہ کے ادب سے بھرے ہوئے جواہر پارے مرقوم کر کے ادبیات میں انکا مقام آشکارا کیا ہے۔ اب آپکی باقی علوم پر دسترس کا ایک واقعہ پیش خدمت ہے۔ غالباً ۱۹۵۳ء کا دور دورہ تھا۔ راولپنڈی کی جامع مسجد میں ایک نورانی چہرے والی سرخ و سپید پُر وجاہت شخصیت ساتوں زینوں والے منبر کے سب سے بلند زینہ پر منبر افروز تھی۔ بھدری داڑھی۔ عبا میں ملبوس سر پر فیروزی رنگ کا عمامہ۔ گلے میں اسی رنگت کی چادر حمائل۔ فصیح اردو میں تقریر فرما رہے تھے۔ چہرے کے نور کے جلال سے ایمان تازے ہو رہے تھے۔ مسجد کا صحن نمازیوں سے لبریز تھا۔ مجھے انہیں دیکھنے کی سعادت لاہور سے سفر راولپنڈی کے باعث نصیب ہوئی پہلی نظر کو ان کا چہرہ وہاں سے جدا نہ ہونے دیتا تھا۔ راقم کی زندگی کا پہلا موقع تھا کہ اتنے وجیہہ پُر وقار عالم و فاضل کو راولپنڈی کی جامع مسجد میں انتہائی فصیح و بلیغ اردو میں تقریر کرتے سُن رہا تھا۔ وقفے وقفے کے بعد نعرہ تکبیر کے ساتھ نعرہ رسالت کی گونج سنائی دے رہی تھی۔ یہ ہستی حضرت قبلہ و کعبہ الشاہ عارف اللہ قادری تھے۔ جن کی زبان فیض رساں سے راولپنڈی والوں کے کان نعرہ رسالت سے آشنا ہو رہے تھے۔ حضرت شاہ صاحب کے والد مولینا شاہ حبیب اللہ قادری میرٹھی۔ اعلیٰ حضرت کے خلفاء میں سے تھے۔ شاہ صاحب کی وجاہت شان و شوکت، سطوت و عظمت اور نورانیت دیکھ کر اسلام کی حقیقت اور اعلیٰ حضرت کی عظمت کھلی جا رہی تھی۔ تقریر کا ایک ایک لفظ دل میں اتر رہا تھا۔ ذکر بھی اعلیٰ حضرت کا ہو رہا تھا۔ فرمایا کہ ڈاکٹر سر ضیاء الدین علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے۔ وہ ہند و پاک کے گنے چنے دو چار ریاضی دانوں میں شمار ہوتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کو جیومیٹری میں پیش آمدہ اشکال کے حل کے لئے جرمنی جانا پڑا۔ آپ کے معتقدین میں سید اشرف سلیمان جیسی نامور روزگار ہستی بھی شامل تھی۔ جو دینیات کے پروفیسر تھے۔ اور اعلیٰ حضرت کے انتہائی جانثاروں میں سے تھے۔ جب ڈاکٹر صاحب انہیں ملنے تشریف لیگئے۔ تو آپ نے مقصد سفر سے روکا۔ کہ پہلے آپ اعلیٰ حضرت سے مل لیں پھر جرمنی جائیے۔ ڈاکٹر صاحب سید صاحب کا یہ مشورہ سن کر ہنس پڑے اور فرمایا۔ مولانا ریاضی میں میرا لوہا تمام ایشیا میں مانا جاتا ہے۔ میں بھی عاجز آ کر جرمنی جا کر اسے حل کرانا چاہتا ہوں۔ اور آپ مجھے مشورہ دے رہے ہیں کہ میں ایک فقیہہ اور مفسر سے اسے حل کراؤں لیکن سید سلیمان اشرف علیہ الرحمۃ کے الفاظ بڑی اہمیت رکھتے تھے۔ مجبوراً ڈاکٹر صاحب اعلیٰ حضرت سے ملنے بریلی تشریف لے گئے اور تمام ماجرا انہیں سنا کر ان سے مسئلہ کا حل دریافت کیا۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔ فی الحال سفر کو ملتوی کر دیجئے۔ اور دو کاتب مجھے فراہم کرتے جائیں۔ جنہیں تہجد اور فجر کی نماز کے درمیانی وقفہ میں املا کرا دیا کرونگا۔ کاتبوں کی تقرری اور دوسرے ضروری بندوبست سے فارغ ہو کر ڈاکٹر صاحب علیگڑھ چلے گئے۔ دو ماہ کے بعد جب جواب تیار کر کے ڈاکٹر صاحب کو دکھایا گیا تو ڈاکٹر صاحب حیران رہ گئے۔ اور یہ تاریخی الفاظ ادا کئے کہ میں تو سمجھ رہا تھا کہ ہماری مساجد کے امام وضو اور زکوٰۃ کے مسائل سے زیادہ کچھ نہ سمجھتے ہوں گے۔ لیکن آج دیکھا ہے کہ پیغمبر کے علم کے وارث کیا شان رکھتے ہیں۔ شاہ عارف اللہ یہ واقعات سنا رہے تھے۔ اور دنیا مبہوت ہو کر سن رہی تھی۔ مسجد نعرہ ہائے تکبیر و رسالت سے گونج رہی تھی۔ راولپنڈی کی سرزمین کا چپہ چپہ

قیامت تک گواہ رہے گا کہ اعلیٰ حضرت کے خلیفہ مجاز کے اس فرزندِ ارجمند نے محبتِ رسالت سے ایک جہان کو سرشار کر دیا تھا اہلِ سنت والجماعت کی جو تبلیغی خدمت عارف اللہ شاہ صاحب قادری کے ہاتھوں ہوئی اسے دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کی فیض رسانی کا حق راولپنڈی میں عارف اللہ شاہ نے ادا کر دیا ہے۔ پنجاب کی زرخیز سرزمین میں اعلیٰ حضرت کا پیام پہنچانے والوں میں شاہ عارف اللہ قادری صفِ اول میں موجود ہیں۔ اللہ ان کا سایہ ہمارے سروں پر قائم رکھے ان کے ہاتھوں کا لگایا ہوا پودا بار آور ہو چکا ہے۔

اب ہم اعلیٰ حضرت کے عشقِ رسالت اور محبتِ غوثیت کے بارے میں کچھ معروضات پیش کریں گے۔ محبت جس کی موجودگی میں۔ محبت جس کی بنا پر محبت جس کے سبب سے محبت جس کے تقاضوں کے تحت۔ محبت جس کے باعث غلیظ پانی سے کشید ہو کر نائب خدا بننے والا حضرت انسان مسجودِ ملائک بن گیا۔ وہ ہمارا موضوع ہے۔ وہ محبت جس کے کرشمے سے کائنات عدم سے وجود میں آئی۔ اس محبت کو اللہ عزوجل شانہ نے اعلیٰ حضرت کے سینے میں کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا۔ اعلیٰ حضرت کے کمالاتِ علمی کی شاخیں اسی جذبہ محبت کے شاور درخت سے پھلی پھولی تھیں۔ اعلیٰ حضرت کے فیوضاتِ ظاہرہ کی نہریں اسی جذبہ محبت کے سرچشمے سے جاری وساری ہوئی تھیں۔ اعلیٰ حضرت کے فضائل ومحاسن اسی جذبہ محبت کے گلستان کے غنچے اور کلیاں بن کر زینتِ چمن دنیا اور آرائشِ باغ بہشت بن گئیں۔ اعلیٰ حضرت کے خصائص اسی جذبۂ محبت کے نافہ کی خوشبو سے عرشِ دو فرش کو مہکا اٹھے تھے۔ اعلیٰ حضرت عشقِ مصطفےٰ اور محبتِ غوثیت پناہ سے مخمور تھے۔ وہ محبت کی تبلیغ پر مامور تھے۔ وہ الفت کی ظلمات میں چور تھے۔ وہ کس کا منارۂ نور تھے۔ وہ اہلِ محبت کے قافلہ سالار تھے۔ وہ اہلِ عشق کا سرمایۂ افتخار تھے۔ وہ اہلِ سنت کے سردار تھے۔ وہ عشاق کی روش پر چلتے ہوئے شاعری کی دولت سے مالا مال تھے۔ کیونکہ عشق اور شاعری لازم وملزوم ہیں۔ عشق آگ ہے جس میں سوائے ذاتِ خداوندی کے ہر شخص جل رہا ہے۔ شاعری اسی آگ کی تپش ہے جب آگ جلتی ہے تو تپش کا پیدا ہونا لازم ہو جاتا ہے یہ تپش کبھی شعلہ بن جاتی ہے اور کبھی دبی چنگاری رہتی ہے۔ عشق کی آگ کی یہ تپش دو بحر لفظوں میں شاعری کہلاتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ عشاق کی اکثریت اپنے زمانے اور اپنی زبان کی بہترین شاعر گذری ہے۔ زندگی کی حقیقتوں کی جو ترجمانی وہ کر گئے وہ دوسروں کے حصہ میں کم ہی آئی ہے۔

تاریخ گواہی دیتی ہے کہ ایک غزوہ میں خود حضور اقدس نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لب ہائے معجز نما سے یہ رجزیہ کلمات ادا ہو رہے تھے۔

انا نبی المطلب	میں خواجہ عبدالمطلب کا فرزندِ ارجمند ہوں اور میں
انا النبی لا کذب	نبی صادق ہوں اسمیں جھوٹ نہیں۔

حضرت ابی بکر الصدیق۔ حضرت فاروق اعظم۔ حضرت مولائے کائنات۔ دیگر صحابہ کبار۔ اہلِ بیت اطہار اولیاء کرام اور علماء عظام کے کلام سے عوام کے قلوب ونظر خوب آشنا ہو چکے۔ اعلیٰ حضرت علماء اور اولیاء کے زمرے میں جس نمایاں اور

ممتاز مقام پر تشریف فرما ہیں۔ آپ کا کلام بھی اسی ممتاز اور نمایاں حیثیت کا مظہر ہے۔ آپ کے کلام کا طلاقدہ حصہ نعت رسول مقبول منقبت چار یار کرام اور مدحت غوث پاک سے اٹا پڑا ہے۔ ہم جیسوں کے منہ سے اعلیٰ حضرت کے کلام کی تعریف کرنے پر چھوٹا منہ بڑی بات" کی مثال صادق آتی ہے البتہ یوسف کے خریداروں میں نام لکھوانے کی خاطر ہم بھی اس بازار مصر میں نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے کلام کے بارے میں ملک کے نامور اہل قلم نے بہت کچھ لکھا ہے جس کی موجودگی میں مزید الفاظ کی گنجائش نکالنا قلم کے بس کا روگ نہیں۔ یہ صرف ہر غواث کے دست بوس پرست ہوتے سے رہا۔ اللہ تعالیٰ قاری احمد حسن خطیب عیدگاہ گجرات علیہ الرحمت کو اپنے عرش کے سائے میں جگہ دے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ حدائق بخشش کا ایک ایک شعر پڑھتے جاؤ میں اس کے ثبوت میں قرآن کی آیات اور رسول اللہ صلعم کی حدیث پیش کرتا جاؤنگا۔ ایسے عظیم کلام کے بارے میں کچھ کہنا ہر ایک کے بس کا روگ نہیں۔

اعلیٰ حضرت تعریف کرتے ہیں اس ہستی نامدار عربی تاجدار کی جسے "محمد" صلی اللہ علیہ وسلم کہا گیا ہے جس کی خاطر حمد کا جملہ صفات ازلی اور تعریف ابدی مخصوص کر دی گئی ہے۔ جس کی خاطر اول سے لیکر آخر تک سب قسم کی تعریف مختص ہو کر رہ گئی ہے۔ جس کا نام نامی اور اسم گرامی اللہ کے نام کے ساتھ ساتھ ہر اذان میں بلند کیا جاتا ہے۔ اذان جو اس کرۂ ارضی کے تین سو ساٹھ کے زاویے پر ہر لحظہ بننے ہوئے نظام الاوقات کے تحت پانچ وقت بلند ہو رہی ہے۔ جہاں اللہ کا نام بلند ہوگا وہاں رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام وہ رفعنا لک ذکرک کے تحت خود بخود بلند ہوگا۔ علاوہ ہر نمازی ان پر درود بھیجے بغیر نماز کی تکمیل نہیں کر سکتا۔ نیک مومن اور اولیاء اللہ ان پر ہر لمحے درود و سلام بھیجتے ہیں۔ انبیاء کرام اپنی قبروں میں بیٹھے درودوں کے تحائف بھیج رہے ہیں۔ خود خدائے لم یزل ولایزال ہر کام سے فارغ ہو کر ایک ہی کام میں مشغول ہو گیا ہے کہ ان پر درود بھیجتا رہے۔ اللہ کا ذکر کرنے والے کل شیئٍ ھالک کے تحت ذکر کرنا ختم کر دیں گے۔ ذکر خدا ختم ہوگا۔ ذکر رسول جاری رہیگا۔ انہی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت میں اعلیٰ حضرت کا قلم اٹھتا ہے۔ حدائق بخشش کے صفحات سے نور کی لہریں اٹھ رہی ہیں۔ عقیدت کی خوشبو مہک رہی ہے۔ ہر شعر ذوق فراق اور شوق حدیث سے بھرا ہوا ہے۔ اعلیٰ مادکو پر لکھنے والے اعلیٰ حضرت ہیں۔ مدحت رسول اقدس صلی اللہ کی ہے۔ شاعری کی صفت ہے کہ ہر وصف جو ذہن کو متاثر کرے۔ محبوب کے لئے وقف کر دیا جائے۔ ہر خوبی جو دل میں آئے محبوب کیلئے پسند کر لی جائے۔ فضیلت جو سوچ میں آئے محبوب کے حضور نذرانہ کر دی جائے۔ اعلیٰ حضرت بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت لکھتے ہیں۔ نبی کی شان میں کمی ان کے ہاں نہیں ہو سکتی اختیاط حد سے بڑھنے بھی نہیں دیتی۔ عام شاعری نہیں کہ جسے چاہا خاک سے اٹھا کر افلاک پر بٹھا دیا۔ رسول علیہ السلام کو خدا کا ہم پلہ بنا دیا۔ بزرگی کو رسالت سے مساوی کر دیا۔ یہ امور اعلیٰ حضرت کے فکر سے کوسوں دور ہیں وہ نبی کو ان کے مقام سے کم مقام پر نہیں دیکھ سکتے۔ ان کا قلب معراج پہچاننے والے کو زمین پر نہیں دیکھ سکتا۔ وہ قاب قوسین و ادنیٰ۔ نعرہ لکھنے والے کو خدا سے جدا نہیں کر سکتے۔ فاوحی ما اوحی کے مخاطب کے علم وسیع کا محاسبہ نہیں کر سکتے۔ ان اور صفات

پر ایک آنکھ اور ان احتیاطوں پر دوسری آنکھ رکھنے والے اعلیٰ حضرت ایک شعر نذر دربار رسالت کرتے ہیں۔

وہی لامکاں کے مکیں ہوئے، سرِ عرش تخت نشیں ہوئے
وہ نبی ہیں جن کے ہیں یہ مکاں، وہ خدا ہے جس کا مکاں نہیں

اہل سنت والجماعت کا متفقہ فیصلہ اور عقیدہ ہے کہ ذاتِ خداوندی کسی حد و قید میں آنے والی نہیں۔ وہ ذات نہ کبھی مقید ہو سکی نہ محدود ہو سکی۔ نہ اب مقید و محدود ہے۔ نہ آئندہ مقید و محدود ہو گی۔ اللہ کے مکان کو لامکان اور اس کے تخت کو عرش کا نام دے کر بات کو عام ذہن میں اتارنے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ لامکان میں اللہ کو مکین کہنے سے صفاتِ ازلی و ابدی پر حرف آتا ہے۔ اللہ کو عرش و کرسی پر متمکن کرنے سے اس کی صفات مقید و محدود ہو کر اس کی شان میں کمی کا باعث بنتی ہیں۔ اس لئے نہ وہ لامکان کا مکین ہے نہ عرش پر تخت نشین ہے اس کی شان کا تقاضہ ہے کہ وہ مکان و لامکان سے وراء الورائی رہے اور عرش و کرسی سے ارفع و بلند رہے۔ قرآن فرماتا ہے ماخلقت ھذا باطلہ کوئی چیز بلا مقصد پیدا نہیں کی گئی۔ تو یہ عرش و کرسی اور مکان و لامکان کس لئے بنائے گئے کہ ان میں کوئی رہنے والا نہیں؟ مکان کے لئے مکین اور عرش کے لئے تخت نشین کون نامزد ہوا ہے؟ کیا ان تخلیق باطل ہے؟ تو بات کا جواب موجود ہے۔ نہ جواب دینے والا موجود ہے۔ عاشق کی نگاہ اٹھتی ہے۔ جواب دینے کے لئے اس کا دل مچلتا ہے۔ محبت کرنے والے کا دل پکارتا ہے۔ اُنس رکھنے والے کو سجھائی دیتا ہے۔ شاعر کا تخیل پرواز کرتا ہے۔ حدود شرعی کے اندر رہ کر جواب دیا جاتا ہے۔

وہی لامکاں کے مکیں ہوئے، سرِ عرش تخت نشیں ہوئے
وہ نبی ہیں جن کے ہیں یہ مکاں وہ خدا ہے جس کا مکاں نہیں

عاشق کی مستی پکار رہی ہے کہ لامکان میں مکان والے میرے محبوب ہی ہوں محبت صادق کا جذبِ الفت تقاضا کرتا ہے کہ عرش پر میرے محبوب تخت نشین ہوں۔ اعلیٰ حضرت کا محبوب محبوب پروردگار ہے۔ مدنی تاجدار ہے۔ شاہ ولاکیاں ہے۔ اعلیٰ حضرت کو لامکان پر وہی نظر آ رہے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کو لامکان پر وہی نظر آ رہے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کو عرش پر وہی بیٹھے اچھے لگتے ہیں ان کی جگہ کوئی دوسرا اچھا نہیں لگتا۔ اور خود خدا کو بھی وہی اچھے لگتے تھے۔ جب ہی تو ان کو وہاں مقیم کیا گیا تخلیق کرسی و عرش کی غایت وہی تھے۔ خدا کی مرضی سمجھ کر اس کی ترجمانی کا حق اعلیٰ حضرت نے ادا کیا۔ اور صاف بتایا کہ خدا وہ ہے جس کا کوئی مکان۔ لامکان۔ عرش کچھ بھی نہیں۔ یہ سب کچھ نبی کا ہے۔

شاعر کا تخیل عرش و لامکان تک رسائی حاصل کر چکا ہے جس سے آگے کوئی دوسرا مقام ہی نہیں۔ وہ اپنے محبوب کو انہی مقامات میں جلوہ گر دیکھنا پسند کرتا ہے۔ شاعر کا محبوب بھی محبوب رب العلمین ہے جسے معراج کی شب ان مقامات پر بغرض ملاقات بلایا گیا ہے۔ شاعر کے عشق کا تقاضہ عروج اس سے آگے کہاں جائے۔ وہ دنگ ہو جاتا ہے اور اسی کے وجدان سے عشق

ادب سے لبریز الفاظ نکلتے ہیں ؎

وہی لامکاں کے مکیں ہوئے، سرِ عرش تختِ نشیں ہوئے
وہی نبی ہیں جنکے ہیں یہ مکاں وہ خدا ہے جسکا مکاں نہیں

ہمارے ناقص عقل و فکر میں اُردو ادب کے اندر نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ شعر اس قدر بلند ہے کہ اعلیٰ حضرت کے اس شعر کے مقابل کوئی دوسرا شعر نہ ابتک کہا گیا ہے نہ کہا جا سکتا ہے۔ یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ اعلیٰحضرت کے اس شعر پر بہت کم لوگوں کی نظر پڑی ہے۔ ناقدین حضرات نے اکثر اچھے شعروں کے انتخاب کرتے وقت اس کا مقام اس کو نہیں دیا۔ جبکہ نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم میں اس شعر کا ہم پلہ دوسرا شعر نہیں ہو سکتا۔ اعلیٰ حضرت کی شاعری عشق کے آخری نکتے کی ترجمانی کرتی ہے لیکن عام شاعروں کی طرح ان کی شاعری میں ادب کا مقام ہر قدم پر عشق کو پابند رکھتا ہے ان کے دل میں عشق ہے لیکن ان کی نگاہ میں ادب و احتیاط بھی موجود ہے جو عشق کے پہلو بہ پہلو چلتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کی شاعری کا یہ وصف دوسروں کو بہت کم نصیب ہوا ہے۔

اعلیٰ حضرت کے مشہور خلائق سلام۔ بالفاظ "مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام" پاک و ہند میں بچے بچے کی زبان رواں دواں ہیں۔ اللہ جانے کس عالم دلفریبی میں اس سلام کو بارگاہ نبوت میں نذر گردانا گیا۔ کہ اس کی مقبولیت چار دانگ عالم میں پھیل گئی۔ اہل سنت والجماعت کی ہر مسجد میں جمعہ کی نمازوں کو اسی سلام سے زینت بخشی جاتی ہے پورے پاکستان اور خصوصاً پنجاب کے ہر ہر شہر اور دیہات کے ہر ہر کوچے میں رسول خداؐ کے عشق کے متوالے نعت خواں جب عقیدت بھری آوازوں کو پیش بارگاہ رسالت کرتے ہیں۔ تو پوری فضا وجد میں آ جاتی ہے۔ راولپنڈی میں اس سلام کا پیام اول سنانے والے شاہ عارف اللہ قادری تھے۔ جبکہ پشاور میں مولانا گل فقیر احمد صاحب رحمت اللہ علیہ خلیفہ مجاز حضرت گولڑوی سرکار کے عزیز تلمیذ فاضل نوجوان ڈپٹی نذیر احمد صاحب مدظلہ العالی اپنی جامعہ مسجد میں اس کی شیرینی کا ذائقہ ہر جمعہ کو عوام کو چکھاتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان کی زبانوں میں مزید چاشنی پیدا کرے۔ اسی سلام کا اعجاز تھا کہ باتوں باتوں میں دنیا کے نقشے پر مملکت خداداد پاکستان کے نقوش ابھر آئے۔ اس سلام سے عوام کے ذہنوں میں جلا بخشنے والے اعلیٰ حضرت تھے۔ جن کی علمی بصیرت نے سنہ ۱۹۲۰ء میں صاف صاف کہدیا۔ کہ ہندو اور مسلمان ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے۔ گویا اعلیٰ حضرت نے دو قومی نظریہ سنہ ۱۹۲۰ء میں پیش کر دیا تھا۔ چونکہ آپ کا یہ کارنامہ سیاسی نہ تھا۔ بلکہ علمی تھا۔ اس لئے سیاسی میدان میں عرصہ کے بعد جا کر مقبول ہوا۔ آپ کے اسی علمی اعجاز نے پاکستان کا خواب سنہ ۱۹۲۰ء میں دیکھ لیا تھا۔ جبکہ قائداعظم نے دو قومی نظریئے کو سنہ ۱۹۳۷ء میں تسلیم کیا۔ اور دیگر زعمائے ملت بہت بعد میں اس مقام پر پہنچے۔ اعلیٰ حضرت کا مشہور فتویٰ المحجۃ المؤتمنہ فی آیۃ الممتحنہ سنہ ۱۹۲۰ء میں چھپ گیا تھا۔ جس میں ہندو اور مسلمانوں کو قرآن و حدیث کی روشنی میں دو الگ الگ قومیتیں دکھایا گیا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ جب مولانا محمد علی شوکت علی۔ حضرت قائداعظم جیسے سیاسی زعماء۔ مولانا ابوالکلام آزاد جیسے

مفسر قرآن سید احمد، مولانا حسرت موہانی جیسے مدبر و مفکر اسلام سید عطاء اللہ شاہ بخاری جیسے واعظ، علامہ اقبال جیسے مفکر قوم اور شاعر اسلام تک ہندو مسلم اتحاد کا نعرہ لگا رہے تھے۔ صرف ستائیس سالہ دور نے ۱۹۲۰ء سے بلکہ ۱۹۴۷ء تک حق و باطل میں امتیاز کی لکیر کھینچ کر ثابت کر دیا کہ اعلیٰ حضرت حق پر تھے۔ اور ان کی فراست کا ایک ایک لفظ پورا ہو کر رہا۔

اعلیٰ حضرت کے سلام کی قبولیت کی بات ہو رہی تھی۔ وہ سوائے تعریف محبوب۔ تعریف یاران محبوب اور تعریف اولاد محبوب کے کسی دوسرے کی تعریف سے قلم کو ملوث کرنا گناہ تصور کرتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے زمانے میں شعراء کی سرپرستی کو جب والیانِ ریاست کے دامن وسیع ہو جاتے تھے۔ تو یہ ان کا کمال کا اعتراف ہوتا تھا۔ لیکن اعلیٰ حضرت کے نزدیک یہ گناہ کبیرہ تھا۔ جب ریاست نان پارہ کے والی کی تعریف اعلیٰ حضرت کے الفاظ میں سننے کی فرمائش کی گئی۔ تو اعلیٰ حضرت نے بے دھڑک فرمایا کہ میری بلا اس جھنجھٹ میں پڑے۔ تعریف کے لئے میرا محبوب مجھے کافی ہے۔ دوسروں کی تعریف میرے نزدیک دین فروشی ہے۔

کروں مدح اہل دول رضا۔ پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا۔ میرا دین۔ پارہ ناں نہیں

اس عظیم کریکٹر کا حامل انسان حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کر رہا ہے۔ ایک نعت میں پندرہ کے قریب شعر تعریفِ رسالت میں لکھ کر نذر گذرانتے ہیں۔ جب مقطع پر پہنچتے ہیں تو بلا ساختہ پکار اٹھتے ہیں۔

تیرے دربار میں لایا ہے شفیع اس کو رضا
جو مرا غوث ہے اور لاڈلا بیٹا تیرا

یا رسول اللہ میں نے تمام عمر آپ کے عشق و ہجر میں کاٹ دی ہے۔ آپ کے دین کو اغیار کے حملوں سے بچایا ہے۔ آپ کے قرآن کو سینوں سے لگایا ہے۔ بے ادبوں کو ادب کا سبق پڑھایا ہے۔ آپ کے عشق میں دل کڑھایا ہے۔ آپ کی اُمت میں عشق و ادب کی تعلیم پھیلائی ہے۔ اپنے سینے میں آپ کے عشق کی آگ سلگائی ہے۔ پھر بھی تو جرأت ادب کچھ عرض کرنے سے قاصر ہوں۔ سخت خائف و خاطر ہوں۔ حال دل بتا نہیں سکتا۔ خالی ہاتھ جا نہیں سکتا۔ بار بار آ بھی نہیں سکتا۔ کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ کوئی خبر نہیں لیتا۔ کیا کروں کیا نہ کروں۔ ایک بس چلتا نظر آتا ہے۔ ایک راستہ کشادہ نظر آتا ہے۔ کہتے ہیں والدین کی محبت حاصل کرنی ہو تو ان کی اولاد سے محبت کی جائے۔ ان کی نصرت و حمایت لی جائے۔ یا رسول اللہ میں آپ کے جگر گوشہ دلبند۔ آپ کے فرزند ارجمند آپ کے لخت جگر۔ آپ کے نور نظر۔ آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک۔ آپ کے قلب کے قرار۔ آپ کے باغ رسالت کی فصل بہار۔ آپ کے خون کے نقش و نگار۔ آپ کے فقر کے تاج دار۔ آپ کے حسن کے شاہکار۔ آپ کے فرزند نامدار۔ آپ کی ولایت

ہماری تجربہ پیش کش

آٹا

○ میدہ
○ سوجی
○ چوکر

غذائیت سے بھرپور

بلور فلور اینڈ جنرل ملز لمیٹڈ

چارسدہ روڈ پشاور فون نمبر ۲۵۰۰

بلور بلڈنگ - بازار داگراں پشاور، فون نمبر ۲۶۲۹

گرام RICE ★ ٹیلی گرام "البشیر" ★ فون نمبر ۲۲۸۸

کے شہر یار۔ آپ کی مسند کے صحیح حقدار۔ آپ کے بیسر بردبار۔ آپ کی امت کے مددگار۔ آپ کی عظمت کے روشن مینار آپ کی عزت و آبرو کے پاسدار۔ بغداد والی سرکار۔ میراں محی الدین شاہ عبدالقادر الگیلانی کو جو میرے اور دنیا کے غوث الاعظم ہیں۔ اپنا سفارشی بناتا ہوں۔ یارسول اللہ اب تو قبول فرمائیے۔ تعریف ہو رہی تھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ ذکر آگیا غوث پاک کا۔ عشق کا تقاضہ ہے کہ

گفتگو کا ہو کوئی رُخ لیکن ذکر ان کا ضرور ہوتا ہے

محبت کا تقاضہ ہے۔ کہ معشوق کبھی فراموش نہ ہو۔ ہر بات میں معشوق پیش نظر رہے۔ ہر نازو ادا میں اُسی کا جلوہ نظر آئے۔ دنیا میں بھی وہی وہ ہوتا ہے۔ آخرت میں بھی وہی وہ ہوتا ہے۔

نامۂ اعمال جب میرا کھلا ذکر ان کا بار بار آنے لگا

وہ کچھ ہمارے سے کھڑا ہونے کے قائل نہیں۔ جتنی بڑی سرکار میں پیش ہو رہے ہیں اتنی ہی بڑی سفارش لیکر آئے ہیں۔ دربار ہے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا۔ اس میں شفیع غوث پاک کو لائے ہیں۔

ع تیرے دربار میں لایا ہے شفیع اسکو رضا
جو مرا غوث ہے اور لاڈلا بیٹا تیرا

شفاعت کے طلبگار ہیں تو شفیع غوث پاک کو لائے ہیں۔ مدد کے خواستگار ہیں تو مددگار غوث اعظم کو لائے ہیں۔ اور اس امر میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ اعلیٰ حضرت ہندوستان میں حضور غوث پاک کے نائب بن کر آئے تھے۔ حدائق بخشش میں فارسی کی وہ رباعیات جو غوث الاعظم کی شان میں اعلیٰ حضرت نے پیش کی ہیں۔ عشاق کے بس کا روگ نہیں کہ اس پائے کی تعریف کر سکے۔ انہیں محبت رسالت اور عشق غوث کی متاع غوث پاک کے در سے ودیعت ہوئی تھیں۔ اگر ان کے ہاتھ میں غوث پاک کا دامن نہ ہوتا۔ تو بہت بڑے عالم فاضل ہوتے لیکن اس نعمت سے خالی رہتے۔ یہ نعمت انہیں عطا کر کے ان کا نام تا قیامت زندہ کر دیا گیا۔ رسول خدا سے بڑھ کر کائنات میں کوئی محبوب نہیں۔ اعلیٰ حضرت اسی محبوب کے محبوب کے ہاں ملتجی ہیں۔ لیکن وہاں بھی ان کی اولاد کا سہارا لیکر دونوں گھروں سے دولت عشق والیان سمیٹ رہے ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے صرف رسالتمآب اور غوثیت مآب سے ہی تعلق خاطر نہیں رکھا۔ وہ ان کی اولاد کے ایک ایک بچے کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ قصیدہ نور کے ایک شعر میں فرماتے ہیں۔

تیری نسل پاک کا ہے بچہ بچہ نور کا
تو سراپا نور تیرا سب گھرانہ نور کا!

اعلیٰ حضرت خود نور تھے۔ انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بچہ بچہ نور نظر آرہا ہے۔ اعلیٰ حضرت خود

نور تھے۔ اس کے ثبوت پیش کرتا ہوں۔ کہتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت جب حرمین الشریفین کے سفر میں مکہ مکرمہ تشریف فرما تھے تو امام شافعیہ شیخ حسین بن صالح بغیر کسی علیک سلیک یا پرانی واقفیت کے اعلیٰ حضرت کو ہاتھ سے پکڑ کر اپنے گھر لے گئے۔ دیر تک آپ کی پیشانی کو عقیدت مندانہ نظروں سے دیکھتے رہے اور پھر فرمایا۔

انی لاجد نور اللہ من ھذا الجبین ط

بے شک میں اس کی پیشانی میں اللہ کا نور پا رہا ہوں۔

اعلیٰ حضرت خود نور تھے۔ انہیں حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کا بچہ بچہ نور کا نظر آرہا ہے۔ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی دو صاحبزادیاں جب یکے بعد دیگرے حضرت عثمان کے حرم میں داخل ہوئیں۔ تو حضرت عثمان ذی النورین بن گئے۔ سمجھ نہیں آتی۔ کہ حضرت عثمان کو ذی النورین کہنے والے حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے نور کا کس منہ سے انکار کر کے شیخ نجدی کی روح کو خوش کرتے ہیں اور اہل سنت کا دل دکھاتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت انہی لوگوں کے پڑھانے اور سکھانے کیلئے اس جہان میں تشریف لائے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی اولاد سے اعلیٰ حضرت کی یہ عقیدت اور رشتۂ مودت ہر مقام اور ہر وقت قائم رہا۔ ایک فتویٰ کے جواب میں کہ کیا کسی سید زادے کو استاد تادیباً مار سکتا ہے؟ اعلیٰ حضرت نے وہی محبت بھرا جواب دیا۔ کہ قاضی جو حدود اللہ قائم کرنے پہ مجبور ہے۔ اس کے سامنے اگر کسی سید پہ حد ثابت ہوئی۔ تو باوجودیکہ اس پہ حد لگانا فرض ہے۔ اور وہ حد لگائے گا۔ لیکن اس کو حکم ہے کہ سزا دینے کی نیت نہ کرے۔ بلکہ دل میں یہ نیت رکھے کہ شہزادے کے پیر میں کیچڑ لگ گئی ہے اسے صاف کر رہا ہوں۔ سید الانبیاء کی ذات اور سید زادگان کرام سے یہ شیفتگی اور علاقہ رنگ لا کر رہا۔ آپ کے مخالف تک یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے۔ کہ بعض حضرات سادات کے ساتھ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے عجز و انکسار سے متاثر ہو گئے۔" (شہاب ثاقب)

ہم نے پچھلے صفحات میں شیخ سید احمد اسعد گیلانی حسنی حسینی ساکن حماہ شریف ملک شام وارد مدینہ منورہ کی زبان کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نقل کئے تھے۔ کہ جو محبوب کو محبوب رکھے وہ بھی محبوب ہوتا ہے اعلیٰ حضرت کی سادات کرام سے محبت۔ سید السادات حضرت غوث الانام سے محبت اور جد السادات علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محبت کے کچھ آثار ہم نے زیر نظر مضمون میں واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسی محبت کا تقاضہ تھا کہ محبت کرنے والا بھی محبوب بنا لیا جائے چنانچہ اعلیٰ حضرت کو بھی محبوبیت کے مقام اعظم پر قائم کیا گیا۔ حدیث قدسی ہے۔ ذاکر ذکر کر کے جب مقبول خداوندی کے مقام کو حاصل کر لیتا ہے۔ تو اسے دنیا میں اس طرح مشہور کیا جاتا ہے کہ فرشتوں کو حکم ملتا ہے کہ میرے اس مقبول بندے کی محبت سے دنیا والوں کے سینوں کو معمور کر دو۔ چنانچہ لوگوں کے دل اس بندے کی طرف ملتفت ہو جاتے ہیں۔ یہ اس کے اعمال کی پسندیدگی اور قبولیت کا مظہر ہوتا ہے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت کو بھی ایک دو نہیں ہزارہا لکھوکھا بندگان خدا کے دل میں جگہ دے دی گئی اعلیٰ حضرت کے پیر و مرشد حضرت آل رسول مارہروی رحمت اللہ علیہ فرماتے تھے۔ کہ بروز حشر جب باری تعالیٰ سوال کریگا۔

کہ اے آلِ رسول دنیا سے میرے لئے کیا تحفہ لائے ہو۔ تو عرض کروں گا۔ اے پروردگار میں تیرے لئے احمد رضا کو لایا ہوں" صاحبانِ مقام اس امر سے واقف ہیں کہ مرید کے حق میں پیر و مرشد کے الفاظ کیا درجہ و مقام رکھتے ہیں۔ اسی مرشد کی بارگاہ میں بیعت کے وقت ان الفاظ سے عقیدت مندی کا اظہار کیا تھا۔

خوشا دلے کہ دہندش ولائے آلِ رسول
خوشا سرے کہ کنندش فدائے آلِ رسول

آپ نے سلسلۂ عالیہ قادریہ کے پانچ خانوادوں سے شرفِ خلافت و اجازت کا حصول کیا تھا۔ ۱۔ سلسلہ قادریہ برکاتیہ جدیدہ۔ سلسلہ قادریہ آبائیہ قدیمہ۔ سلسلہ قادریہ احمدیہ۔ سلسلہ قادریہ رزاقیہ۔ اور سلسلہ قادریہ منوریہ کے لطائف و وظائف سے کسبِ فیض کر چکے تھے۔ اعلیٰ حضرت کی دربار بغداد شریف سے عقیدت کا یہ حال تھا کہ چھ سال کی عمر سے لیکر تا دمِ حیات کبھی بھولے سے پاؤں بغداد شریف کی جانب نہیں پھیلائے۔ اعلیٰ حضرت کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے لئے اللہ میاں کے الفاظ کا استعمال جائز نہ تھا۔ کبھی کسی بزرگ کے نام کو مناسب القاب و دعائیہ کلمات کے بغیر نہ لکھا تخفیف کے مستعمل الفاظ صلعم۔ ؑ۔ ؓ۔ رضہ۔ رح۔ جز۔ وغیرہ کو "فبدل الذین ظلموا قولاً غیر الذی قیل لہم" کے تحت ممنوع قرار دیا۔ اور ان کے رواج کو دلیل محرومی فیوضات و برکات قرار دیا۔ الحمدللہ اعلیٰ حضرت کی پیروی میں حکومت پاکستان نے انگلش میں حضور پاک کے نام نامی اور اسم گرامی علیہ التحیت والثناء کے بجائے ..... MOHAMMAD کے الفاظ سے رواج دیا۔ ورنہ انگریزوں کے دور میں اسی نام کو مخفف کرکے "MOHD" بنا دیا تھا نیز حکومت پاکستان نے مرزائیوں کو ملت اسلامیہ سے خارج کرکے اعلیٰ حضرت کے اسی سالہ فتویٰ پر صاد فرمایا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے ۱۳۲۰ھ میں "السوء والعقاب علی المسیح الکذاب" نامی رسالہ لکھ کر قادیانیوں کو دائرہ اسلام سے خارج کیا تھا۔ الحمدللہ حکومت پاکستان نے اس پچھتر سالہ پرانے فتویٰ کی تصدیق کرکے اعلیٰ حضرت کے حضور خراج عقیدت پیش کر دیا ہے۔ حکومت پاکستان کے گنجینہ ہوئے یہ دُرِ رضا لطیفے امام اہل سنت کے دربار میں تا قیامت ہدیہ تحسین پیش کرتے رہیں گے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ کی حرمت اور عصمت کی پیش بندی پر خدا پاکستان کو تا قیامت قائم رکھے۔

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب کے خلیفہ ارشد و شاگرد رشید مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرشد کی خوبیوں کا ایک بہترین نمونہ تھے۔ جس طرح خواجہ خواجگان خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رضی اللہ عنہ کے خلیفہ اول حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر پانچ لاکھ کے لگ بھگ کفار نے اسلام لا کر کلمہ توحید پڑھا تھا۔ اسی طرح اعلیٰ حضرت کے اسی خلیفہ مقتدر کے ہاتھوں سے سینکڑوں کفار نے کلمہ شریف پڑھ کر اپنی دنیا اور آخرت سنوار لی ہے۔ آپ کی تبلیغی سرگرمیاں مشرق بعید کے ممالک میں خصوصاً جاپان میں بہت بار آور ثابت ہوئیں۔ اعلیٰ حضرت کے اسی نامور شاگرد کے کارنامے اپنے استاد محترم کے بلند مقام کی نشان دہی کر رہے ہیں۔ پاکستان کی موجودہ قومی اسمبلی کے ممبر

محمد شاہ احمد نورانی حضرت مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھیؒ کے فرزند ارجمند ہیں۔ حضرت مولانا شاہ احمد نورانی نے پاکستان کی موجودہ سیاست میں جس بالغ النظری۔ وسیع النظرفی۔ عالی حوصلگی۔ تحمل و بردباری سے اپنے مقام کو واضح کیا ہے۔ اہل سنت والجماعت والوں کے سر انہوں نے فخر سے بلند کر دیئے ہیں۔ پاکستان کے قیام کے بعد اہل سنت والجماعت کی شان و شوکت میں چار چاند لگانے والے مولانا شاہ احمد نورانی ہیں۔ جنہوں نے نہ صرف جمعیت العلمائے پاکستان کے مقام کو عرش کا ہم پلہ بنا دیا ہے۔ بلکہ اعلیٰ حضرت کے نام نامی کو نئی زندگی عطا کی ہے۔ اعلیٰ حضرت کی تعلیمی کاوشوں کے نتیجے میں سب سے پہلے غیر جانبدار انتخاب میں جمعیت العلماء پاکستان کو سات نشستیں حاصل کرنے کا اعزاز حاصل ہوا۔ حالانکہ اسی جماعت نے اس سے پہلے کسی انتخاب میں بطور جماعت حصہ نہ لیا تھا۔ اس کامیابی نے ثابت کر دیا۔ کہ جمعیت العلماء پاکستان کے مقابل سو سو سالہ پرانی سیاسی جماعتیں اتنی بھرپور کامیابی حاصل نہ کر سکیں۔ جو اس جماعت نے پہلی دفعہ حاصل کر لی۔ امید کی جاتی ہے کہ اعلیحضرت کے پروردہ علم حضرت مولانا شاہ احمد نورانی کے زیر سایہ آئندہ غیر جانبدارانہ انتخاب میں یہ جماعت ایک ایسی طاقت بن کر ابھرے گی۔ کہ طاقت کا توازن اس کے مضبوط صالح ہاتھوں میں ہوگا۔ پاکستان کے عوام کی نگاہیں بار بار شاہ احمد نورانی کی سمت اٹھ رہی ہیں خدا انہیں استقامت دے۔ وہ اپنے والد ماجد اور اعلیٰ حضرت کی جانشینی کا حق ادا کر سکیں۔ اعلیٰ حضرت کے علمی کمالات نے جو رنگ دکھانے شروع کئے ہیں وہ رنگ اعلیٰ حضرت کے سیاسی کمالات میں بھی ظاہر ہونا شروع ہو گیا۔ اعلیٰ حضرت نے اپنے دور میں مہاتما گاندھی کے افکار و نظریات سے ٹکر لے کر اس کے مکر و فریب سے مسلمانوں کو آگاہ کر دیا تھا۔ اعلیٰ حضرت کے شاگرد رشید شاہ احمد نورانی نے اشتراکیت اور سوشلسٹ نظریات سے ٹکر لے کر مسلمانان پاکستان کی بروقت راہنمائی کا فریضہ ادا کر دیا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے بارے میں یہ کہنا مبالغہ ہوگا کہ انہوں نے جس میدان میں قدم رکھا اپنی قائدانہ صلاحیتوں کے ڈنکے بجا دیئے۔ ہندو سیاست میں مہاتما گاندھی سے ٹکر لی۔ اور انگریزوں کے فریب کا پردہ چاک کر دیا۔ نجدیت کی مخالفت میں پورے دیوبند سے ٹکر لی۔ اور بے ادبی کے پردے کو چاک چاک کر دیا۔ سیاسی راہنمائی فرمائی تو مولانا محمد علی شوکت علی اور قائداعظم تک کو دو قومی نظریے کا علمبردار بنا کر پاکستان کی تشکیل کروا دی۔ شاعری میں علامہ اقبال کو عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ دکھا دیا۔ فقہ میں اہل سنت والجماعت کو راہ مستقیم پر گامزن کر دیا۔ مختصر الفاظ میں یوں کہنا موزوں ہوگا کہ عام لوگ کسی امر کے محرک ہوتے ہیں اعلیٰ حضرت ہر امر میں بذات خود ایک تحریک تھے۔

پاکستان کے شمال مغربی خطے اور بازوئے شمشیر زن نے چار پٹھان پیدا کر کے اسلام کی جڑوں کو قیامت تک برصغیر پاک و ہند میں مضبوط کر دیا ہے۔

اول :- سلطان اعظم سلطان محمود غزنوی۔

دوئم :- پٹھان اعظم فرید خان شیر شاہ سوری۔

سوئم :- خان اعظم احمد شاہ ابدالی

چہارم :- افغان اعظم مولانا احمد رضا خان

سب سے اوّل سلطان جس نے اپنے سترہ طوفانی حملوں سے ہند و پاک کے شرق و غرب اور شمال و جنوب کی طنابیں کھینچ کر رکھ دی تھیں جس کے گھوڑے کی ٹاپوں سے شمالی ہند کا ایک ایک چپہ لرز اٹھا تھا۔ جس نے ملک ہندوستان میں پہلی بار مسلمانوں کو حاکم عادل کی صورت میں درندہ صفت ہندو حاکموں اور شودر صفت رعایا کو عدل و انصاف اور تہذیب و تمدن کا سبق پڑھایا۔ جس نے ہمالیہ کی چوٹیوں سے سومنات کی گھاٹیوں تک کلمۂ توحید کا ڈنکا بجا دیا۔ یہ پٹھان سلطان اعظم محمود غزنوی تھے۔ جن کے شاہزادے سلطان مسعود غزنوی کے لشکر میں پوشیدہ رضاکار اور اسی خطے کی دھرتی کی کوکھ سے جنم لینے والی ہستی حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش نے ہند و پاک کے آسمان روحانیت پر ایک درخشندہ ستارے کی طرح نور برسایا۔ کہ اس کی ضیاء سے آج تک ہند و پاک منوّر ہو رہے ہیں۔

دوسرے پٹھان شیر شاہ سوری تھے۔ جس نے بابری دور میں فرید خان سے شیر خان اور ہمایوں سے تخت لیکر شہنشاہ کی حیثیت سے دلّی کے تخت کو زینت بخشی۔ اس کے انتظام و انصرام کی منہ بولتی تصویریں خیبر کے کوہساروں سے بنگال کے سنہری سبزہ زاروں تک آج بھی گرانڈ ٹرنک روڈ کی صورت میں موجود ہیں۔ بلکہ اس کا ایک ہلکا سا خاکہ بلا ترمیم بھی اصلاح راولپنڈی سے غربی جانب مارگلہ کی پہاڑیوں میں مامون و محفوظ ملتا ہے۔ یہ ہندوستان کا وہ شہنشاہ ہے جس کے عدل و انصاف نے میزان کے ایک پلڑے میں اپنی بہو اور دوسرے پلڑے میں ایک معمولی بنئے کی بیوی کو کھڑا کر کے عدل فاروقی کے اسباق سے ایک جہان کو روشناس کرا دیا تھا۔ جس کے زمانے کے بندوبست اراضی پر آج تک عمل درآمد ہو رہا ہے۔

تیسرے پٹھان۔ درویش صفت بادشاہ احمد شاہ ابدالی تھے جنہوں نے ایک ہزار سال سے ہندوستان پر حکمران اسلام کو دیس نکالا دینے سے بچالیا۔ جبکہ جنوبی ہندوستان کے تین لاکھ مرہٹہ لشکر نے پانی پت میں مسلمانوں کو ہندوستان سے نکالنے کے لئے اپنی قوت داؤ پر لگا دی۔ لیکن اسلام کو بچانے والے احمد شاہ ابدالی نے اپنے ستر ہزار جانفروشوں سے تین لاکھ مرہٹوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ انہی کے مشن کو لیکر علامہ جمال الدین افغانی نکلے تھے۔ جن کے دل ہی اسلام کے درد کی کسک کا احساس ہر مسلمان اپنے سینے میں محسوس کرتا ہے۔

اور چوتھے پٹھان قندھار کے بڑیچی خاندان کے فرزند اعظم مولانا احمد رضا خان صاحب تھے۔ جن کے علمی کارناموں نکتہ سنجیوں اور سخن دانی کے باعث نجدیت کے طوفان بدتمیزی سے کشتی حنفیت صحیح و سالم نکل آئی جنہوں نے اسلام کی حقیقی قدروں کو دوبارہ زندگی بخشی۔ جن کے عشق و محبت کے کارناموں نے ایسے انمٹ نقوش چھوڑے جن کی جریدہ پاک و ہند میں نظیر نہیں ملتی۔ ان چار پٹھانوں نے اسلام کا پرچم بلند کر دیا ہے۔ ان پر جتنا فخر کیا جائے کم ہے۔

اعلیٰ حضرت کی وفات ۲۵ صفر المظفر سنہ ۱۳۴۰ھ میں ہوئی کہتے ہیں ماہ ربیع الثانی سنہ ۱۳۴۰ھ میں ایک مقامی

بزرگ دہلی آئے۔ مسلمانانِ ہند ہر طرح ان کی خدمت کرتے لیکن ان کی شانِ استغنا نرالی تھی۔ نذر نذرانہ نہ لیتے تھے ان سے سوال کیا گیا۔ کہ غرضِ سفر کیا ہے۔ فرمایا غرض تو بڑی مقدس تھی لیکن افسوس پوری نہ ہوئی وہ اس طرح کہ ۲۵ صفر کو خواب میں رسولِ خدا علیہ التحیۃ الثنا کی زیارت نصیب ہوئی۔ لیکن رسول مقبول صلی اللہ علیہ منتظر دکھائی دیتے تھے۔ عرض کرنے پر فرمایا کہ میں احمد رضا بریلوی کا منتظر ہوں۔ میں نے جاگ کر قصد ہندوستان کیا کہ احمد رضا بریلوی کی زیارت کروں۔ لیکن یہاں آکر معلوم ہوا کہ وہ اسی رات تشریف لے گئے جس رات ان کا استقبال رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔ ع

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

تذکرہ علماء و مشائخ سرحد حصہ دوم

اس کتاب میں صوبہ سرحد کے اضلاع پشاور۔ مردان اور ہزارہ کے ۱۷۹ علماء و مشائخ کی دینی اور سیاسی خدمات اور زندگی کے حالات کا ذکر ہے۔ اس کتاب کو ایشین آرٹ کونسل کی طرف سے پہلا انعام مل چکا ہے۔ معیاری کتابت۔ آفسٹ طباعت ۴۶۵ صفحات۔ سنہری ڈائی سے مزین جلد۔ کاغذ سفید قیمت صرف ۲۸/- روپے ملنے کا پتہ: مکتبہ "الحسن" یکہ توت پشاور

ہوٹل سلاطین اینڈ ریسٹورنٹ

سنیما روڈ پشاور شہر

ایئر کنڈیشنڈ

مٹن لیگ روسٹ • چانپ روسٹ • چکن تندوری

مُرغ مسلم • چکن تکہ — اور — چکن کباب

دیگر پاکستانی اور انگریزی کھانوں سے لطف اُٹھائیے

شکر الحمد اللہ

سلطانی مصالحہ جات

ایشیا بھر میں سب سے عمدہ ثابت ہو رہے ہیں

مرچ۔ ہلدی۔ گرم مصالحہ۔ سالن مصالحہ۔ دھنیا۔ میتھی قصوری اور کالی مرچ
بند ڈبوں میں دستیاب ہے

سلطانی برانڈ پراڈکٹس۔ پیپل منڈی پشاور شہر فون نمبر ۲۳۳۰

جہانگیر ہوٹل سینما روڈ پشاور شہر

چکن تکہ۔ چکن روسٹ چکن کباب۔ مرغ مسلّم۔ چکن تندوری
اور دیگر عمدہ اور لذیذ کھانوں کا بہترین مرکز

خود بھی لطف اٹھائیے
اور مہمانوں کو بھی کھلائیے!!

ہر قسم سامان آہنی و فولادی تعمیرات کیلئے

گل محمد اینڈ برادرس

ٹیلیفون نمبر
۲۱۱۴
۲۵۳۹

پل بخشہ پشاور شہر
سے طلب فرمائیے

تار کا پتہ
"تاج کو" پشاور

جو حکومت پاکستان کے صوبہ سرحد میں نامزد کردہ

لوہا ——— اور ——— فولاد

کے واحد مرکزی سٹاکسٹ ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صبا بحسنِ ادب گو تو غوثِ اعظم را
خدا سپرد بہ تو کارِ ہر دو عالم را

تو آں شہی کہ کنی رد قضائے مبرم را
بری ز خاطرِ ناشاد محنت و غم را

شاہ محمد غوث صاحب
رحمۃ اللہ علیہ

ہر قسم سامان آہنی و فولادی تعمیرات کیلئے

گل محمدؐ اینڈ برادرس

پل پختہ پشاور شہر
سے طلب فرمائیے:۔

فون نمبر
۲۱۱۴
۲۵۳۹

تار کا پتہ
تاج کو پشاور

جو حکومت پاکستان کے صوبہ سرحد میں نامزد کردہ

لوہا اور فولاد

کے واحد مرکزی سٹاکسٹ ہیں!